اخبار الرایہ

شمارنمبر 602

(03-جون-2026)

(عربی سے ترجمہ)

نکبہ (عظیم تباہی) کے 78 سال: اب آگے کیا؟! 2

امیر حزب التحریر، عالمِ جلیل عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی جانب سے امتِ مسلمہ بالعموم اور حزب کے شباب (ارکان) کو بالخصوص عید الاضحیٰ 1447ھ بمطابق 2026ء کے مبارک موقع پر مبارکباد کا پیغام 5

نہ انہوں نے دنیا حاصل کی، اور نہ ہی اپنے دین کی حفاظت کر سکے 11

مسلمانوں کے مسائل اس وقت تک حل نہیں ہوں گے جب تک خلافت قائم نہ ہو جائے 14

امریکہ اور ایران: طاقت کے توازن کی نئی صف بندی 16

"تم جہاں چاہو برسو" سے "کبھی ممکن نہیں" تک کا سفر کیسے طے ہوا؟! 20

افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ: نئے عالمی نظام میں تنازعات کے نقشے 24

وسطی ایشیا دو انتخاب کے درمیان: محکومی یا آزادی 29

سوڈانی جنگ میں پڑوسی ممالک کا کردار 30

بڑی تبدیلیوں کا دور: غلامی اور قیادت کے درمیان ایک اہم موڑ 24

توانائی کا مستقبل اس کے ہاتھ میں ہے جس کے پاس اس کی ترسیل (ٹرانزٹ) کی چابیاں ہیں 38

خوش بخت ہیں وہ جو اپنی زندگی کے ضائع ہونے سے پہلے اس کی قدر کو پہچان لیں، اور اپنی زندگی کو اپنے حق میں گواہ بنائیں نہ کہ اپنے خلاف 40

بیشک حزب التحریر وہ پیش رو راہنما ہے جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ آپ کو پکارتا ہے کہ اس کے ساتھ مل کر نبوت کے طریقے پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے جدوجہد کریں؛ ایک ایسی ریاست جس کے حکمران اس وقت تک مطمئن نہیں ہوں گے جب تک وہ عوام مطمئن نہ ہو جائے جس کی وہ خدمت کرتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **«اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئاً فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئاً فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ»** "اے اللہ! جس کسی کو میری امت کے کسی معاملے کا والی (ذمہ دار) بنایا گیا اور اس نے ان پر سختی کی، تو تو بھی اس پر سختی کر؛ اور جس کسی کو میری امت کے کسی معاملے کا والی بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا، تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما"۔

صرف خلافت ہی وہ واحد نظام ہے جو امت کو نجات دلا سکتا ہے، جو خیر کو پھیلائے گا، اپنے شہریوں کو ان کی بنیادی ضروریات فراہم کرے گا، اور انہیں بنیادی ضروریات سے بڑھ کر آسائشیں اور سہولیات حاصل کرنے کے قابل بنائے گا۔ جہاں تک آج کا تعلق ہے، تو ان ظالم حکمرانوں کے زیرِ سایہ صورتحال دن بدن ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكاً**﴾ "اور جس نے میرے ذکر (میری نصیحت) سے منہ موڑا، تو یقیناً اس کے لیے زندگی تنگ ہو گی"۔ (سورۃ طٰہٰ: 124)

اداریہ

نکبہ (عظیم تباہی) کے 78 سال: اب آگے کیا؟!

تحریر: استاد عبد الرحیم خلیل

(ترجمہ)

نکبہ (عظیم تباہی) ایک ایسی اصطلاح ہے کہ جب کبھی اس کا ذکر ہوتا ہے، تو مسلمانوں کے ذہنوں میں فلسطین کا مسئلہ ابھر آتا ہے۔ سن 1948 میں، یہودیوں نے فلسطین پر قبضہ کرنے اور وہاں کے باشندوں کو ان کی زمینوں سے بے دخل کرنے کے لیے پیش قدمی کی، جس کے دوران انہوں نے خونریزی کی اور بچوں اور عورتوں کو بیدردی سے قتل کیا۔ جب عرب ریاستوں کو یہ خبر پہنچی، تو اردن، عراق، مصر، لبنان اور شام نے اپنی افواج کو فلسطین کی طرف روانہ کر دیا۔ یہودیوں کے خلاف جنگ میں شدت آگئی اور ان افواج میں موجود مخلص سپاہیوں نے تمام محاذوں پر بہادری سے مقابلہ کیا، یہاں تک کہ یہودیوں کی چیخ و پکار اقوام متحدہ کی سرکردگی میں مغرب کے کفار تک جا پہنچی۔ یہی وہ موڑ تھا جہاں سے غداری کا آغاز ہوا۔ تمام فریقین نے ایک ماہ کے لیے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر جنگ بندی کے معاہدے پر اتفاق کر لیا! عرب افواج ایک ایسی جنگ بندی پر کیسے راضی ہو سکتی تھیں جبکہ وہ فتح یاب ہو رہی تھیں اور یہودیوں کے مکمل خاتمے کے قریب تھیں؟! تاہم، اس سے بھی زیادہ حیران کن حقیقت یہ جاننا ہے کہ عرب اردنی فوج کا کمانڈر ایک برطانوی افسر "گلوب پاشا" (جان باگوٹ گلوب) تھا! اسی طرح، دیگر عرب فوجی کمانڈروں اور صدور نے بعض علاقوں سے پیچھے ہٹنے کے احکامات جاری کیے، حالانکہ وہ فتح کی حالت میں تھے۔ جبکہ ان پر لازم شرعی فریضہ یہ تھا کہ وہ دشمن کے خلاف آگے بڑھیں، نہ کہ پیچھے ہٹیں! طے شدہ جنگ بندی کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی یہودیوں نے اس کی خلاف ورزی کر دی۔ مسلسل 26 دنوں تک مغرب سے فوجی ساز و سامان کی فراہمی بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہی، جس نے یہودیوں کو اس قابل بنا دیا کہ وہ عرب افواج کا محاصرہ کریں اور ان سے مقابلہ کریں، یہاں تک کہ انہیں پسپائی پر مجبور کر دیا۔

جیسے جیسے واقعات اور سال گزرتے گئے، 1964 میں مصر میں فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) کا اعلان کیا گیا جسے فلسطینی عوام کا واحد سرکاری نمائندہ قرار دیا گیا۔ اس کا مقصد فلسطین کے باقی ماندہ حصوں کو غاصب وجود کے حوالے کرنا تھا، تاکہ حرام کو جائز قرار دیا جا سکے۔ پی ایل او کی سب سے بڑی "کامیابی" اوسلو معاہدہ تھا، جس نے فلسطین کی 78 فیصد

زمین پر یہودی وجود کی موجودگی کو تسلیم کر لیا اور بقیہ 22 فیصد پر مذاکرات کیے۔ اس بقیہ علاقے میں سے بھی اب صرف 14 فیصد ہی باقی بچا ہے، جس کا "سہرا" اس فلسطینی اتھارٹی کے سر ہے جو غدارانہ اوسلو معاہدے کے بطن سے پیدا ہوئی۔ فلسطینی اتھارٹی کے صدر محمود عباس نے 'فتح' کی آٹھویں جنرل کانفرنس کے دوران اپنی تقریر میں اوسلو معاہدے کو "خیانت" (غداری) قرار دیتے ہوئے کہا: "اوسلو معاہدہ غداری ہے، لیکن ہم اسے چاہتے ہیں... ہم اسے برقرار رکھنا چاہتے ہیں!" تو پھر ایک ایسے معاہدے کو برقرار رکھنے کا کیا مقصد ہے جو بذاتِ خود ایک غداری ہے؟ درحقیقت، اس تحفظ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے جو اس معاہدے نے یہودی وجود کو فراہم کیا؟ اس معاہدے کو 22 سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن یہودیوں کے کرتوتوں میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی: قتل و غارت، بے دخلی، محاصرہ، گھروں کی مسماری اور گرفتاریاں مسلسل جاری ہیں۔ بلکہ، یہودی وجود نے القدس، الخلیل اور دیگر مقامات پر مقدس مقامات پر حملے کر کے اپنے گھناؤنے اقدامات میں مزید تیزی پیدا کر دی ہے۔ ابھی حال ہی میں، یہودیوں نے مسجدِ اقصیٰ کے صحنوں میں تلمودی دعائیں مانگیں، جس نے زمین پر بسنے والے ہر مسلمان کو مشتعل کر دیا۔ پھر مغربی کنارے کے ان آبادکاروں کا کیا ذکر کریں جو نہتے لوگوں پر حملے کر رہے ہیں، ان کی رقم، زمین اور مویشی چھین رہے ہیں، اور وہاں کے باشندوں کو مار پیٹ، تذلیل، اغوا اور قتل کا نشانہ بنا رہے ہیں؟ خواتین، بچے، بوڑھے اور جوان، کوئی بھی ان کے شر سے محفوظ نہیں رہا۔ یہ سب کچھ اوسلو معاہدے پر دستخط کرنے والوں کی نظروں کے سامنے ہو رہا ہے، جو کہ ذلت، کرپشن اور غداری کی ایک دستاویز ہے۔ ہمیں ایک ایسے معاہدے کو کیوں برقرار رکھنا چاہیے جس کا مقصد فلسطینی اتھارٹی کے اندر ایک مخصوص گروہ کی طاقت کو مضبوط کرنے کے علاوہ کچھ نہیں رہ گیا، تاکہ وہ ٹیکسوں اور فیسوں کے ذریعے عوام کے وسائل کو نچوڑ سکیں؟ یا پھر اس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں یہودی وجود، امریکہ اور یورپ کی پالیسیوں پر عمل درآمد کرنا، اسلامی تصورات کو پاش پاش کرنا اور انہیں تعلیمی نصاب سے نکال باہر کرنا ہے؟

یروشلم (بیت المقدس) کی آزادی (تحریر) میں 78 سال کی تاخیر نہ ہوتی اگر وہ مجرمانہ سائیکس-پیکو معاہدہ نہ ہوتا، جس نے خلافتِ عثمانیہ کے کھنڈرات پر مسلمانوں کی زمینوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مغربی ایجنٹوں کی حکمرانی میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تخلیق کر دیں۔ ان ریاستوں کے اندر رہنے والا ہر مسلمان ایک قوم پرستانہ وفاداری میں جکڑ دیا گیا، اور مسلمانوں نے اس بابرکت سرزمین کو محض ایک جذباتی وابستگی سے زیادہ کچھ نہ سمجھا، جس کا ذکر آنے پر بس چند آنسو بہا دیے جاتے ہیں۔ مسلم دنیا میں قوم پرستی اور وطن پرستی کے تصورات جتنے زیادہ راسخ ہوتے گئے، کفار مسجدِ اقصیٰ کی آزادی کی طرف پیش قدمی کو مؤخر کرنے کے لیے وقت حاصل کرنے میں اتنے ہی کامیاب ہوتے گئے۔

78سال سے زائد عرصے سے، یہودی وجود نے اپنی کارروائیاں اسی رفتار سے جاری رکھی ہوئی ہیں، بلکہ قتل و غارت، فاقہ کشی، زمینوں پر قبضے اور مقدسات کو یہودی رنگ دینے (Judaization) میں مزید شدت پیدا کر دی ہے۔ یہ سب سائیکس-پیکو اور ان عرب حکمرانوں کی بدولت ہے جو اس مساوات کو بدلنے میں کامیاب رہے ہے کہ اس وجود کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ضروری ہے اور اسے ختم کرنے کے ذرائع کیا ہونے چاہئیں، اور اس کی جگہ وہ اس پر آ گئے کہ معاہدوں اور تعلقات کی بحالی (نارملائزیشن) کے ذریعے اس کے ساتھ کیسے رہا جائے، جو کہ زمین اور آسمان دونوں کو غصہ دلانے والا فعل ہے۔

ہم مسلمانوں کے لیے، ہماری سب سے بڑی مصیبت وہ دن تھا جب ہماری خلافت کو تباہ کر دیا گیا، ہماری سرزمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، اور ہر دور و نزدیک کے دشمن نے ہم پر دستِ درازی شروع کر دی۔ اس عظیم تر تنازعے میں فلسطین محض ایک کڑی ہے۔ خلیفہ عبد الحمید دوم (رحمہ اللہ) کا وہ تصور حقیقت بن کر سامنے آیا جب انہوں نے ہرزل سے کہا تھا کہ: "میرے لیے یہ زیادہ آسان ہے کہ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں، بجائے اس کے کہ میں فلسطین کی ایک انچ زمین سے بھی دستبردار ہو جاؤں۔ یہ میری ذاتی جائیداد نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کی ملکیت ہے۔ میں جیتے جی اپنے جسم کی چیر پھاڑ پر راضی نہیں ہو سکتا... یہودی اپنی دولت سنبھال کر رکھیں، کیونکہ اگر خلافت ختم ہو گئی تو تم فلسطین کو کسی قیمت کے بغیر ہی ہتھیا لوگے"۔ اور بعینہٖ ایسا ہی ہوا۔

ارضِ مقدس فلسطین کے مسئلے کا حل اسے مسلمانوں کے ایک مشترکہ مقصد کے طور پر اس کے حقیقی رخ کی طرف موڑنے میں ہے، اور اسے ان قومی و قوم پرستانہ لغویات اور بین الاقوامی اداروں سے نجات دلانے میں ہے جنہیں گزرتے برسوں نے محض ایک سراب، دھوکہ اور وقت کا ضیاع ثابت کیا ہے۔ مسلمانوں کی اس تباہی کے حل کی ابتدا ان کا ایک ہی 'رایہ' (جھنڈے) تلے متحد ہونا، اور ان لوگوں کے ساتھ مل کر تگ و دو کرنا ہے جو نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام اور امت کے چھینے ہوئے اقتدار کی بحالی کے لیے کوشاں ہیں۔ تب افواج مسجدِ اقصیٰ کی طرف کوچ کریں گی اور یہودی وجود کو ختم کر دیں گی، تاکہ امت اپنی عظمتِ رفتہ، وقار اور اپنی پہچان دوبارہ حاصل کر لے۔ یقیناً، یہ اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔

امیر حزب التحریر، عالمِ جلیل عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی جانب سے امتِ مسلمہ بالعموم اور حزب کے شباب (ارکان) کو بالخصوص عید الاضحیٰ 1447ھ بمطابق 2026ء کے مبارک موقع پر مبارکباد کا پیغام

(ترجمہ)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہو اللہ کے رسولﷺ پر، ان کی آل، ان کے صحابہ اور ان پر جو ان کی پیروی کریں۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا إله إلا الله، اللہ اکبر، اللہ اکبر، وللہ الحمد

عمومی طور پر امتِ مسلمہ کے نام، جو انسانیت کے لیے نکالی گئی بہترین امت ہے، جو نیکی کا حکم دیتی ہے، برائی سے روکتی ہے اور اللہ العزیز الحکیم پر ایمان رکھتی ہے:

اور بالخصوص دعوت پہنچانے والوں کے نام، اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے اور ریاستِ اسلامی، یعنی خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کے لیے ان کی مدد فرمائے۔

اس صفحے کے معزز قارئین کے نام، جو اس خیر کے متلاشی ہیں جو یہ صفحہ پیش کرتا ہے، اور حق کے ساتھ کھڑے ہونے اور حق والوں کی مدد کے لیے کوشاں ہیں۔

آپ سب کو،

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ،

میں آپ سب کو سال 1447ھ کی مبارک عید الاضحیٰ پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ میں اللہ القوی العزیز سے دعا گو ہوں کہ یہ عید تمام مسلمانوں کے لیے خیر و برکت کے دروازے کھولنے کا سبب بنے۔

میرے پیارے بھائیو اور بہنو: یہ عید ایک ایسے وقت میں آئی ہے جب غزہ (ہاشم) اور پورے فلسطین کے خلاف امریکہ اور اس کے اسلحے کی پشت پناہی میں یہودیوں کی جارحیت جاری ہے۔ مسلم ممالک کے حکمران جو کچھ ہو رہا ہے اسے محض دیکھ رہے ہیں، وہ شہداء کی گنتی کر رہے ہیں اور انہیں "مردہ" پکار رہے ہیں! اور ان میں جو سب سے "بہترین" ہیں وہ ایسے ثالث بنے ہوئے ہیں جیسے وہ غیر جانبدار ہوں، حالانکہ وہ یہودیوں کے زیادہ قریب ہیں!

اور آج انہوں نے ہم پر ایک اور، زیادہ شدید اور پر تشدد جارحیت کا اضافہ کر دیا ہے۔ امریکہ اور یہودی وجود نے ایران پر ایک وسیع پیمانے پر مشترکہ حملہ شروع کیا ہے، جو 28 فروری 2026ء سے شروع ہونے کے بعد سے اب تک جاری ہے؛ یعنی ایران، لبنان اور گردونواح کے خلاف اسے جاری ہوئے تین ماہ بیت چکے ہیں! اور اب یہودی وجود جنوبی لبنان میں ایک بفر زون (حفاظتی علاقہ) قائم کر رہا ہے، بالکل ویسے ہی جیسے اس نے غزہ (ہاشم) میں کیا تھا، جبکہ مسلم دنیا کے حکمران ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں! ٹرمپ کی تعلقات کی بحالی (نارملائزیشن) کی ٹرین لبنان میں پوری رفتار سے واپس لوٹی ہے تاکہ ان دیگر ممالک کے ساتھ مل سکے جنھوں نے یہودیوں کے ساتھ تعلقات استوار کر لیے ہیں۔ اللہ، اس کے رسولؐ اور مومنین سے کسی شرم و حیا کے بغیر غدارانہ مذاکرات ہو رہے ہیں!

لبنان میں جس جنگ بندی کا انہوں نے دعویٰ کیا تھا، اسے یہودی وجود نے اپنے پیروں تلے روند ڈالا ہے، جس نے اپنے حملوں میں شدت پیدا کر دی ہے۔ اسی طرح، امریکی محکمہ خارجہ کی جانب سے جمعہ 2026/5/15 کو یہودی وجود اور لبنان کے درمیان جس 45 روزہ جنگ بندی کا اعلان کیا گیا تھا—"اسرائیل اور لبنان جنگ بندی میں 45 دن کی توسیع پر متفق ہو گئے ہیں"—وہ یہودی وجود کے لیے کاغذ پر لکھی سیاہی سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ ان نام نہاد جنگ بندیوں کی کسی پرواہ کے بغیر حملوں میں اضافہ جاری ہے۔ "آج، اتوار کے روز، "اسرائیل" نے مشرقی لبنان کی مغربی وادی بقاع میں یحمر اور سحمر قصبوں کے مضافات میں دو فضائی حملے کیے، اس کے علاوہ جنوبی لبنان کے قصبے زوطر الشرقیہ پر بھی ایک فضائی حملہ کیا گیا" (الجزیرہ، 2026/5/17)۔ یقیناً، یہودی وجود ٹرمپ کی منظوری کے بغیر فضائی حملے نہیں کرتا، جس نے جنگ بندی کا اعلان کیا تھا! چنانچہ، کوئی دن یا رات یہاں وہاں جارحیت کے بغیر نہیں گزرتی، جبکہ مسلم ممالک کے حکمران ان کے گرد موجود ہیں، پھر بھی وہ قبر جیسی خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں، گویا جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی دور دراز سرزمین پر ہو رہا ہے اور ان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا فیصلہ کتنا برا ہے!

چین کے اپنے دورے سے واپسی کے بعد، ٹرمپ نے آبنائے ہرمز کی ناکہ بندی جاری رکھی، اور دھمکیاں وانتباہ جاری کیے: "امریکی صدر ٹرمپ نے اتوار کے روز ایران کو سنگین نتائج کی دھمکی دی اگر اس کے رہنماؤں نے تیزی سے عمل نہ کیا۔ ٹرمپ نے ٹروتھ سوشل پلیٹ فارم پر ایک پوسٹ میں لکھا: ایران کے لیے امن معاہدے کو قبول کرنے کے لیے "وقت تیزی سے نکلا جارہا ہے"، اور اگر اسلامی جمہوریہ کے رہنما" تیزی سے "حرکت میں نہیں آتے تو "ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا" (العربیہ، 17/5/2026)۔ "پھر امریکی صدر نے ایران کے خلاف فوجی حملوں کی اپنی دھمکیوں کی تجدید کی۔ انہوں نے پیر کے روز ٹروتھ سوشل پلیٹ فارم پر ایک پوسٹ میں اشارہ دیا کہ ایران پر امریکی حملے تمام سمتوں سے ہو سکتے ہیں..." (اے پی نیوز، 18/5/2026)۔ اس نے اپنا تکبر جاری رکھتے ہوئے کہا: "اسی تناظر میں، ٹرمپ نے اس بات پر زور دیا کہ امریکی افواج نے ایرانی فوج اور اس کی سیاسی قیادت کو بڑی حد تک ختم کر دیا ہے، اور اس بات پر زور دیا کہ ریاستہائے متحدہ کسی بھی صورت میں ایران کو جوہری ہتھیار تیار کرنے کی اجازت نہیں دے گا" (مڈل ایسٹ آن لائن، 20/5/2026)۔

بی بی سی نے 21/5/2026 کو اپنی تازہ ترین اپ ڈیٹ میں شائع کیا: "ٹرمپ نے اینڈریوز ایئر فورس بیس پر نامہ نگاروں سے بات کرتے ہوئے، جب ان سے ایران کے ساتھ مذاکرات کی پیش رفت کے بارے میں پوچھا گیا، تو کہا کہ وہ ایک دوراہے پر ہیں۔ انہوں نے مزید کہا، 'میرا یقین کریں، اگر ہمیں درست جوابات نہ ملے، تو معاملہ بہت تیزی سے آگے بڑھے گا۔ ہم سب جانے کے لیے تیار ہیں'۔ یہ سو فیصد درست جوابات ہونے چاہئیں" (بی بی سی، آخری اپ ڈیٹ 21/5/2026)۔ وہ اپنی شرائط پر مذاکرات چاہتا ہے، یا جیسا کہ وہ ہمیشہ کہتا ہے: "ایران کے ساتھ مذاکرات اپنے آخری مراحل میں پہنچ چکے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس نے خبردار کیا کہ مذاکرات کی ناکامی مزید حملوں کا باعث بنے گی" (ایران انٹرنیشنل، 21/5/2026)۔

اس طرح، ٹرمپ چاہتا ہے کہ مذاکرات اس کے "طاقت کے ذریعے امن" کے تکبر کے مطابق آگے بڑھیں! وہ اپنے قریبی ساتھی نیتن یاہو کو تباہی اور جارحیت جاری رکھنے پر اکسا رہا ہے، اور جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا، یہودی وجود ان لبنانی دیہاتوں میں اپنی فوج کے لیے نئے کیمپ قائم کر رہا ہے جن پر اس نے قبضہ کیا ہے، اور انہیں بفر زون (حفاظتی علاقہ) قرار دے رہا ہے، یوں وہ حماس کے ساتھ غزہ کے "منظر نامے" اور پیلی لائن کو دہرا رہا ہے! ایسا لگتا ہے کہ ٹرمپ کے مبینہ طاقت کے ذریعے امن کے تکبر نے ایک ناقص معاہدے کا مسودہ تیار کیا ہے، جو ان مذاکرات یا بات چیت کا

پیش خیمہ ہے جو دو ماہ یا اس سے زیادہ تک طویل ہوں گے، جیسا کہ اتوار 2026/5/24 کو نیوز ایجنسیوں نے رپورٹ کیا ہے۔

یہ ایک سنگین گناہ ہے کہ ٹرمپ اپنی مرضی سے لڑائی شروع کرتا ہے، روکتا ہے یا ختم کرتا ہے، اس خون کی پرواہ کیے بغیر جو اس نے بہایا ہے، ان گھروں کی پرواہ کیے بغیر جنہیں اس نے مسمار کیا ہے، اور اس انفراسٹرکچر (بنیادی ڈھانچے) کی پرواہ کیے بغیر جسے اس نے تباہ کر دیا ہے۔ یہ سب اس لیے ہے کیونکہ اسے کوئی ایسا مسلم ملک نہیں ملا جو اس کی سازشوں کو ناکام بنائے اور اسے سبق سکھائے، جیسا کہ اس کے پیشروؤں، فارسیوں اور رومیوں کے ساتھ ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا قریبی ساتھی نیتن یاہو بھی فلسطین، لبنان اور گرد و نواح میں انسانوں، درختوں اور پتھروں تک کو تباہ کرنے کے لیے ٹرمپ کے منصوبے اور احکامات پر عمل پیرا ہے!!

حاصلِ کلام یہ کہ مسلم ممالک کے حکمران رب العالمین کی بڑائی بیان کرنے کے بجائے کافر استعمار کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں۔ وہ فلسطین کو آزاد کرنے اور یہودی وجود کو مٹانے کے بجائے، اس کے ساتھ مذاکرات اور تعلقات کو معمول پر لانے (نارملائزیشن) کے درپے ہیں۔ یہ حکمران ٹرمپ کو خوش کرنے کے لیے امریکہ اور اس کے پروردہ یہودی وجود کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رہے ہیں! اس طرح، وہ ظالم ٹرمپ کو راضی کرنے کے لیے اللہ کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے ان ارشادات کو بھول چکے ہیں، یا بھولنے کا ناٹک کر رہے ہیں: «مَنْ أَسْخَطَ اللَّهَ فِي رِضَا النَّاسِ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِ، وأَسْخَطَ عَلَيْهِ مَنْ أرضاهُ فِي سَخَطِهِ، وَمَنْ أَرْضَى اللَّهَ فِي سَخَطِ النَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَأَرْضَى عَنْهُ مَنْ أَسْخَطَهُ فِي رِضَاهُ حَتَّى يُزَيِّنَهُ وَيُزَيِّنَ قَوْلَهُ وَعَمَلَهُ فِي عَيْنِهِ» ”جس نے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کیا، اللہ اس سے ناراض ہو جائے گا، اور جن لوگوں کو اس نے (اللہ کی) ناراضگی میں خوش کیا تھا انہیں بھی اس سے ناراض کر دے گا۔ اور جس نے لوگوں کی ناراضگی کے باوجود اللہ کو خوش کیا، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور جن کو اس نے (اللہ کی) رضا کی خاطر ناراض کیا تھا انہیں بھی اس سے راضی کر دے گا، یہاں تک کہ وہ اسے آراستہ کر دے گا اور اس کے قول و فعل کو اس کی نظر میں خوبصورت بنا دے گا“ (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے)۔ اسی طرح، یہ حکمران کفار کے ساتھ وفاداری کے جرم کی سنگینی کا ادراک نہیں رکھتے کہ یہ دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ [سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا

يَمْكُرُونَ] ”عنقریب ان مجرموں کو ان کی مکاریوں کے بدلے اللہ کے ہاں ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا“ (سورۃ الانعام:124)

یہ حکمران کافر استعمار کے ساتھ وفاداری کے اس مقام تک پہنچ چکے ہیں کہ اگر ان کے ممالک میں سے کسی ایک پر بھی حملہ ہو تو دوسرے اس کی مدد کے لیے حرکت نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں سے بہترین وہ ہیں جو مرنے والوں اور زخمیوں کی گنتی کرتے ہیں! اصل میں، مسلمان ایک واحد امت ہیں، ان کی صلح ایک ہے، اور ان کی جنگ ایک ہے، لہٰذا اس کے کسی بھی حصے پر حملہ پوری امت پر حملہ تصور ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک مسلمانوں کی سرزمینیں بٹی ہوئی ہیں اور مسلم ممالک کے حکمران کافر استعمار کے وفادار ہیں۔ البتہ یہ مقصد اس خلافتِ راشدہ کے ذریعے حاصل ہو گا جو مسلمانوں کو ایک امت کے طور پر بحال کرے گی، جو اللہ کے دین کی مدد کرے گی اور اس کے قوانین کو نافذ کرے گی۔ پھر، یہ اللہ کے حکم سے فتح یاب ہو گی، اور اپنے عدل اور اپنی جدوجہد سے دنیا کو روشن کر دے گی، اور اللہ اسے اپنی نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔ [يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ] ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا“۔ (سورۃ محمد:7)

پس اے مسلمانو، اللہ کی پکار پر لبیک کہو، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وعدے کو پورا کرنے کے لیے حزب التحریر کے ساتھ مل کر کام کرو۔ [وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ] ”تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں، اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں اسی طرح اپنا نائب (خلیفہ) بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنایا تھا، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو مستحکم کر دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، اور ان کی خوف کی حالت کو امن میں بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں“۔ (سورۃ النور:55)

اور اس جبری وظالمانہ حکمرانی کے بعد جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کی بشارت موجود ہے، جیسا کہ امام احمد نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں ذکر کیا ہے: «.. ثُمَّ

تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ» "...پھر ایسی جبری و ظالمانہ حکمرانی ہو گی جو اللہ کے چاہنے تک رہے گی، پھر جب اللہ چاہے گا اسے ختم کر دے گا، پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت (خلافت علیٰ منہاج النبوۃ) قائم ہو گی۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے"۔[وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ] "اور اس دن مومن اللہ کی نصرت پر خوش ہوں گے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہ نہایت غالب اور بہت رحم کرنے والا ہے"۔(سورۃ الروم:4-5)

آخر میں، میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ یہ عید اسلام اور مسلمانوں کے لیے خیر، برکت اور سربلندی کا پیش خیمہ ثابت ہو، [وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ] "اللہ اپنے معاملے پر غالب ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔(سورۃ یوسف:21)

اللہ أكبر، اللہ أكبر، اللہ أكبر، لا إله إلا اللہ، اللہ أكبر، اللہ أكبر، وللہ الحمد

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

10 ذوالحجہ 1447ھ

بمطابق 27/5/2026

آپ کا بھائی

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

نہ انہوں نے دنیا حاصل کی، اور نہ ہی اپنے دین کی حفاظت کر سکے

مراکش اور یونان کے درمیان ثقافتی تبادلے کے ایک پروگرام کے تحت، اور یونانی دارالحکومت ایتھنز میں بحیرہ روم کی ایک ثقافتی تقریب کے فریم ورک کے اندر، جس کا مقصد دستکاری کی مصنوعات کی نمائش اور روایتی کاریگروں کی مہارتوں کو اجاگر کرنا تھا، مراکش کے وزیرِ مملکت برائے دستکاری اور سماجی و یکجہتی معیشت، لحسن السعدی نے (جن کا تعلق حکمراں جماعت 'نیشنل ریلی آف انڈیپنڈنٹس' سے ہے) ایک یونانی راہب کو لکڑی کا بنا ہوا عیسائی صلیب پیش کیا۔ یہ عیسائی صلیب جنوب مغربی مراکش میں رباط سے تقریباً 470 کلو میٹر دور واقع شہر 'الصویرہ' میں صنوبر کی لکڑی سے تیار کی گئی تھی، جس کے لیے یہ خطہ بہت مشہور ہے۔

اخبار الرایہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ (اللہ ان پر رحم فرمائے) سے ایک ایسے درزی کے بارے میں سوال پوچھا گیا جس نے عیسائیوں کے لیے ریشمی پٹکے (بیلٹ) سیئے تھے، جن پر سونے کی صلیب بنی ہوئی تھی: کیا اس کے سینے میں گناہ ہے، اور کیا اس کی اجرت حلال ہے یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا: **(إذا أعان الرجل على معصية الله كان آثماً)** "جب کوئی شخص اللہ کی نافرمانی میں مدد کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے"۔ پھر انہوں نے فرمایا: **(والصليب لا يجوز عمله بأجرةٍ ولا غير أجرةٍ كما لا يجوز بيع الأصنام)**

ولا عملها. كما ثبت في الصحيح عن النبي ي أنه قال: «إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرَ وَالْأَصْنَامَ» متفق عليه وثبت أنه لعن المصورين وصانع الصليب ملعون لعنه الله ورسوله) "عیسائی صلیب بنانا جائز نہیں ہے، خواہ وہ اجرت کے بدلے ہو یا بغیر اجرت کے، بالکل اسی طرح جیسے بتوں کو فروخت کرنا یا انہیں بنانا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ صحیح (بخاری و مسلم) میں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی فروخت کو حرام قرار دیا ہے» (متفق علیہ)۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے تصویریں بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ پس صلیب بنانے والا ملعون ہے، اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول ﷺ اس پر لعنت بھیجیں"۔

امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ: **«أَنَّ النَّبِي ّ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِي بَيْتِهِ شَيْئاً فِيهِ تَصَالِيبُ إِلَّا نَقَضَهُ»** "نبی اکرم ﷺ اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتے تھے جس پر صلیب کے نشان ہوں مگر یہ کہ آپ ﷺ اسے توڑ دیتے (مٹا دیتے) تھے"۔ حدیث میں "صلیبوں" سے مراد عیسائی صلیب کی تصاویر ہیں، اور "توڑنے یا مٹانے" سے مراد تصویر کو اس طرح ختم کرنا ہے کہ کپڑا (یا چیز) اپنی جگہ بر قرار رہے۔

فتویٰ اور اسلامی ابحاث کی مستقل کمیٹی (Permanent Committee for Islamic Research and Fatwa) کے علماء نے (3/437) کہا ہے: **(صنع الصليب حرام، سواء كان مجسماً، أم نقشاً، أم رسماً، أو غير ذلك، على جدار، أو فرش، أو غير ذلك، ولا يجوز إدخاله مسجداً، ولا بيوتاً، ولا دور تعليم: من مدارس، ومعاهد، ونحو ذلك. ولا يجوز الإبقاء عليه، بل يجب القضاء عليه، وإزالته بما يذهب بمعالمه: من كسر، ومحو، وطمس، وغير ذلك. ولا يجوز بيعه، ولا الصلاة عليه)** "صلیب بنانا حرام ہے، خواہ وہ مجسمہ ہو، کندہ کاری ہو، نقش و نگار ہو یا کچھ اور؛ خواہ دیوار پر ہو، فرش پر یا کسی اور جگہ۔ اسے مسجد، گھروں، یا تعلیمی اداروں جیسے اسکولوں، کالجوں اور اس جیسی جگہوں پر لانا جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسے بر قرار رکھنا جائز ہے، بلکہ اسے ختم کرنا اور اس کے نشانات کو مٹانا واجب ہے، چاہے اسے توڑ کر ہو، مٹا کر ہو، یا دھندلا کر۔ اسے فروخت کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس پر (پہن کر یا اس کی موجودگی میں) نماز پڑھنا جائز ہے"۔

حکمرانوں کی اسلام اور اس کے شرعی احکامات سے لاپرواہی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اب وہ عقیدے کے احکامات کی بنیادوں پر ضرب لگا رہے ہیں، اور کفار کے سامنے ان کی مغلوبیت اور خوشامد اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اس نے انہیں دین کی بنیادی باتوں سے تجاوز کرنے اور 'نواقضِ ایمان' (ایمان کو باطل کرنے والے امور) میں دھکیل دیا ہے، یعنی ایسے افعال جو انسان کو اسلام کے دائرے سے خارج کر دیتے ہیں، اور یہ سب کچھ وہ اپنے چہروں پر مسکراہٹیں سجائے کر رہے ہیں!

اس فعل کو صرف اس فردِ واحد سے منسوب نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ ایک بااختیار عہدے پر فائز ہے؛ وہ ایک وزیر کے مرتبے پر ہے، کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ نہ ہی اسے اس کی جانب سے ایک انفرادی عمل قرار دیا جا سکتا ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ریاست نے اس کے رویے کی مذمت میں یا اس سے لاتعلقی کا کوئی بیان جاری نہیں کیا ہے۔ جب اس عمل کو ریاست کے دیگر اداروں کے اسی طرح کے متعدد اقدامات کے تناظر میں دیکھا جائے، تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ریاست اور حکمران سیاسی طبقے کے اندر ایک عمومی رجحان کی نشاندہی کرتا ہے، جس کا واضح عنوان یہ ہے: کافر کی خوشنودی تلاش کرنا، اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن طریقے سے اس کے سامنے ناک رگڑنا، اس امید پر کہ شاید وہ انہیں اقتدار میں برقرار رکھے اور ان مراعات کے ان ریزوں (ٹکڑوں) کی ضمانت دے دے جنہوں نے ان کی بصیرت کو اندھا کر دیا ہے۔

وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کفار کے سامنے جتنا زیادہ خود کو ذلیل کریں گے، کفار کی انہیں ذلیل کرنے کی اشتہا اتنی ہی بڑھے گی، اور کفار اتنا ہی زیادہ ان سے منہ موڑ لیں گے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اب وہ ناکارہ مہرے بن چکے ہیں جن کی عوام میں کوئی ساکھ نہیں رہی، اور اس لیے ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر انہیں دنیا اور آخرت میں رسوائی اپنی لپیٹ میں لے لے گی، نہ انہوں نے دنیا حاصل کی ہو گی اور نہ ہی اپنے دین کی حفاظت کر سکے ہوں گے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ﴾ "اللہ انہیں ہلاک کرے، یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں؟" (سورۃ التوبہ: 30)

مسلمانوں کے مسائل اس وقت تک حل نہیں ہوں گے جب تک خلافت قائم نہ ہو جائے

چنانچہ لبنان کے حکمران اور مسلم ممالک کے دیگر حکمران، فلسطین کو آزاد کرانے اور یہودی وجود کو ختم کرنے کے بجائے، اس کے ساتھ تعلقات استوار کرنے (نارملائزیشن) کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ اس (یہودی وجود) کی سلامتی کی ضمانت دینے کے لیے امریکہ اور یہودی وجود کے ساتھ مل کر سازشیں کر رہے ہیں۔ یہ حکمران کفار کے ساتھ اتحاد کرنے کے خطرے کو نہیں سمجھتے، کہ یہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں دردناک عذاب کا باعث ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ "وہ جو مومنوں کے بجائے کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ تو بیشک تمام عزت اللہ ہی کے لیے ہے"۔(سورۃ النساء:139)

وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کفار ریاستوں کا بنیادی مقصد صرف اپنے مفادات کا تحفظ ہے اور وہ دن رات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی دلوں میں چھپائے رکھتے ہیں۔ اگر وہ کسی ایسی ریاست سے کسی قسم کے اطمینان کا اظہار کرتے ہیں جو ان کی

خارجہ پالیسی کے مدار میں گھومتی ہے، یا اپنے ایجنٹوں ہی سے (خوش ہونے کا دکھاوا کرتے ہیں)، تب بھی وہ ان کی خیر خواہی نہیں چاہتے۔ اس کے بجائے، وہ اپنے برے ارادوں کو چھپاتے بھی ہیں اور ان کا کھلم کھلا اظہار بھی کرتے ہیں، خواہ یہ حکمران کوئی بھی ہوں، یہودی وجود کے حقیقی اتحادی ہی کیوں نہ ہوں۔ چاہے وہ امریکہ کے مدار میں گھوم رہے ہوں، یا اس کے ایجنٹ رہے ہوں، اگر وہ یہ سمجھ جاتے کہ جب امریکہ کے مفادات ان کے خاتمے کا تقاضا کرتے ہیں تو وہ ان کی کوئی قدر نہیں کرتا، تو وہ تاریخ کے اسباق سے ضرور کچھ سیکھتے۔ امریکہ نے اپنے کتنے ہی اتحادیوں کو ان کا مقصد پورا ہونے کے بعد (ردی کی طرح) نکال پھینکا ہے؟ اگر ان حکمرانوں میں ذرا بھی عقل ہوتی تو وہ کفار کو یکسر مسترد کر دیتے، لیکن وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، اور وہ (حق کی طرف) نہیں پلٹیں گے۔ کافر استعمار کے ساتھ ان کی وفاداری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ جب ان کے کسی ایک ملک پر حملہ کیا جاتا ہے، تو دوسرے اس کی مدد کے لیے حرکت تک نہیں کرتے۔ ان میں سب سے بہتر وہ ہیں جو صرف مردوں اور زخمیوں کی گنتی کرتے رہتے ہیں! مسلمانوں کے لیے بنیادی اصول یہ ہے کہ وہ ایک ہی امت ہیں؛ ان کی صلح ایک ہے اور ان کی جنگ ایک ہے۔ امت کے کسی بھی حصے پر حملہ پوری امت پر حملہ تصور ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ہر اس حصے کی شرعی ذمہ داری ہے جس پر حملہ ہو کہ وہ حملہ آور کے خلاف مزاحمت کرے، لیکن اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ ایران میں پاسدارانِ انقلاب مزاحمت کرتے ہیں، اور لبنان میں ایران کی حزب (حزب اللہ) مزاحمت کرتی ہے، لیکن یہ سب کچھ اس وقت تک مسئلہ حل نہیں کرے گا جب تک خلافت قائم نہیں ہو جاتی، جو اللہ کی اطاعت اور اس کے شرعی قوانین کے نفاذ کے ذریعے اس کے دین کی نصرت کرے، تاکہ وہ اللہ کے اذن سے غالب ہو کر اپنی عدل وانصاف اور جہاد کے ذریعے دنیا کو روشن کر سکے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے اپنی فتح (نصر) سے سرفراز فرمائے۔

امیر حزب التحریر، جلیل القدر عالم شیخ عطا بن خلیل ابو الرشتہ کی جانب سے جاری کردہ ایک سوال وجواب سے اقتباس

امریکہ اور ایران: طاقت کے توازن کی نئی صف بندی

تحریر: انجینئر وسام الاطرش

(ترجمہ)

ان دنوں امریکہ اور ایران کے درمیان ایک حتمی اور فیصلہ کن معاہدے کے عنقریب اعلان کی خبریں گردش کر رہی ہیں، جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ پلڑا فوجی راستے کے بجائے سفارتی راستے کے حق میں جھکے گا، یعنی کشیدگی میں اضافے کے بجائے اس میں کمی لانے کو ترجیح دی جائے گی۔ اس معاہدے تک پہنچنے کے لیے دونوں اطراف سے کی جانے والی تمام سفارتی کوششوں کے متوازی، اور ایران پر عائد بحری ناکہ بندی کے ساتھ ساتھ، امریکہ جنوبی ایران، خاص طور پر بندر عباس، جزیرہ لارک اور آبنائے ہرمز کے گردونواح میں اپنے حملوں کی تجدید کر رہا ہے۔ ان حملوں میں فوجی جہازوں، میزائل پلیٹ فارمز اور فضائی دفاعی نظاموں کو نشانہ بنایا گیا۔

ایسے لمحات میں بین الاقوامی سیاست کی پیمائش فوجی بیانات کی تعداد یا سفارتی اعلانات کی رفتار سے نہیں کی جاتی، بلکہ بین الاقوامی نظام کی سطح کے نیچے پے در پے ہونے والے واقعات سے ظاہر ہونے والی دراڑوں کی گہرائی سے کی جاتی ہے۔ آج آبنائے ہرمز کے گرد جو کچھ ہو رہا ہے وہ اب محض واشنگٹن اور تہران کے درمیان کشیدگی نہیں رہا۔ درحقیقت، یہ ایک ایسے وقت میں امریکی طاقت کی حدود کا براہ راست امتحان ہے جب دنیا اب کسی ایک واحد مقتدر اعلیٰ (hegemon) کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

کئی دنوں سے مذاکرات کی زبان جنگ کی آگ کی زبان کے ساتھ پیوست ہو گئی ہے۔ وفود پاکستان اور قطر کے ثالثی کے کمروں میں بیٹھے ہیں، جبکہ پس منظر میں ایک انتہائی حساس جیو پولیٹیکل اسٹیج پر حملوں اور جوابی حملوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں، جن سے قبل ٹرمپ نے اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر مصنوعی ذہانت (AI) سے تیار کردہ ایسی تصاویر پوسٹ کی تھیں جن میں ایرانی جہازوں پر امریکی حملوں کو دکھایا گیا تھا۔ یہ محض اتفاق نہیں ہے۔ یہ ایک نیا انداز ہے: سفارت کاری کے لبادے میں جنگ، اور تصادم کے سائے میں سفارت کاری۔

یہ پیچیدہ مساوات جو کچھ ظاہر کرتی ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ اب ایک ایسی طاقت کے طور پر کام نہیں کرتا جو مکمل برتری کی پوزیشن سے استحکام مسلط کرنے کے قابل ہو۔ اس کے بجائے، وہ ایک ایسی طاقت کے طور پر کام کرتا ہے جو "طاقت کے

ذریعے امن" کی منطق کے مطابق بیک وقت کشیدگی کو منظم اور محدود کرتا ہے۔ وہ حملے سے روکنے کی کوشش (deterrence) تو کرتا ہے، لیکن اس کے پاس اس تیز رفتار فیصلہ کن فتح کی سہولت موجود نہیں ہے جو اس کی گزشتہ دہائیوں کا طرہ امتیاز تھی۔ اس کے برعکس، ایران بتدریج تھکا دینے (attrition) کی ایک نپی تلی حکمت عملی کے تحت کام کرتا ہے، جسے حساس جغرافیہ اور عالمی توانائی کی راہداریوں کا فائدہ حاصل ہے، جو کسی بھی محدود تصادم کو ایک وسیع بین الاقوامی بحران میں تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس صورتحال کا سب سے خطرناک پہلو خود کشیدگی نہیں ہے، بلکہ مذاکراتی راستوں کے جاری رہنے کے ساتھ اس کا بیک وقت پیش آنا ہے۔ یہ مماثلت بین الاقوامی نظام کے ڈھانچے میں ایک گہری تبدیلی کی عکاسی کرتی ہے: امن اور جنگ اب دو الگ الگ متوازی لکیریں نہیں رہے، بلکہ یہ ایک ہی وقت میں موجود دو باہم پیوست تہیں بن چکے ہیں۔ اس غیر واضح (گرے) علاقے میں، بڑی طاقت "حتمی فیصلہ" مسلط کرنے کی اپنی صلاحیت کھو دیتی ہے اور مسلسل بحران سے نمٹنے کے کھیل میں ایک کھلاڑی بن کر رہ جاتی ہے، ایک ایسا کھیل جس میں چین سے جیت کے لیے کی جانے والی اس کی اپیلیں بھی غیر مؤثر ثابت ہوئی ہیں۔

معاشی طور پر، فوجی مداخلت کی قیمت اب محدود یا مقامی نہیں رہی۔ آبنائے ہرمز میں پیدا ہونے والی کوئی بھی رکاوٹ فوری طور پر عالمی توانائی کی منڈیوں کو متاثر کرتی ہے، سپلائی چین (ترسیل کے نظام) کے لیے خطرہ بنتی ہے، اور عالمی معیشت کو خطرے اور مستقل بے چینی و غیر یقینی کی صورتحال میں ڈال دیتی ہے۔ یہ باہمی جڑا ہوا ہونا امریکہ کو اضافی طاقت فراہم نہیں کرتا، بلکہ اس کے اقدامات کو محدود کر دیتا ہے۔ ہر فوجی اقدام کا تخمینہ نہ صرف برتری کی بنیاد پر لگایا جاتا ہے، بلکہ ان ممکنہ عالمی اثرات کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے جو خود کارروائی کے میدان سے باہر تک پھیل سکتے ہیں۔

دوسری طرف، لبنان کا محاذ امریکہ اور ایران کے درمیان کسی بھی مذاکرات میں ایک انتہائی حساس مقام رکھتا ہے؛ یہ کوئی علیحدہ داخلی مسئلہ نہیں بلکہ علاقائی اثر و رسوخ کے وسیع تر نیٹ ورک میں ایک مرکزی نقطہ ہے۔ دونوں فریقوں کے اسٹریٹجک حساب کتاب میں، لبنان اپنی تنگ جغرافیائی حدود سے تجاوز کر کے مشرق وسطیٰ میں طاقت کے توازن کے لیے ایک براہ راست تجربہ گاہ بن جاتا ہے۔

ایران کے نقطہ نظر سے، لبنان اس کے علاقائی اثر و رسوخ کی توسیع اور حزب اللہ کی حمایت کے ذریعے اس کے اہم ترین مہروں میں سے ایک ہے، جو اسے علاقائی سطح پر دشمن کو روکنے کے توازن پر اثر انداز ہونے اور اپنی سرحدوں سے باہر

اسٹریٹجک گہرائی پیدا کرنے کی صلاحیت فراہم کرتا ہے۔ اس کے برعکس، ریاستہائے متحدہ اس اثرورسوخ کو ایک وسیع تر نظام کے حصے کے طور پر دیکھتا ہے جو خطے میں اس کے اتحادیوں کے استحکام کے لیے خطرہ ہے، جن میں سرفہرست یہودی وجود اور وہ خلیجی ریاستیں ہیں جو معمول کے تعلقات کے عمل میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں۔ لہٰذا اس اثرورسوخ کو روکنا یا کم کرنا اس کے وسیع تر سیکورٹی وژن کا ایک مقصد ہے، خاص طور پر حزب اللہ کے گھیراؤ کو مکمل کرنے، اس کے فوجی اثرورسوخ کو ختم کرنے اور اسے غیر مسلح کرنے میں ناکامی کے بعد۔

اس لحاظ سے، لبنان کے ساتھ ایک آزادانہ مسئلے کے طور پر سلوک نہیں کیا جاتا، بلکہ اسے دو مخالف علاقائی منصوبوں کے درمیان "اثرورسوخ کی تجربہ گاہ" کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ واشنگٹن اور تہران کے درمیان کسی بھی وسیع تر مذاکراتی عمل میں اس کا نام سامنے آسکتا ہے، چاہے اسے واضح یا حتمی طور پر کسی بھی ممکنہ معاہدے میں شامل نہ کیا گیا ہو۔ یہ اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ یہودی وجود کو لبنان میں اپنی جارحیت جاری رکھنے کے لیے کیوں ہری جھنڈی دکھائی گئی، اس امید کے ساتھ کہ متوقع زمینی پیش رفت سے مذاکرات متاثر ہوں گے۔

اسٹریٹجک لحاظ سے، امریکہ کو اب ایک ایسی بڑی طاقت کے کلاسیکی مخمصے کا سامنا ہے جو تبدیلی کے دور سے گزر رہی ہے: یعنی بڑھتی ہوئی ذمہ داریاں بمقابلہ محدود فیصلہ کن کارروائی۔ اس سے بیک وقت یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے شراکت داروں کا تحفظ کرے، اپنے مخالفین کو روکے، مارکیٹ کے استحکام کو یقینی بنائے اور ہمہ گیر جنگ میں گرنے سے روکے۔ ان سب سے پہلے اور بعد میں، اسے ایک نوزائیدہ یہودی وجود کا تحفظ کرنا ہے جس کا وجود ہی خطرے میں ہے۔ مقاصد کی اس قسم کی کثرت ایک قسم کا 'اسٹریٹجک دباؤ' پیدا کرتی ہے، جہاں ہر نپا تلا قدم فیصلہ کن نتائج پیدا کرنے کے بجائے خطرے کے انتظام (رسک مینجمنٹ) میں بدل جاتا ہے۔

اس کے برعکس، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر خلا کو مکمل طور پر پُر کرنے کے قابل کوئی متبادل طاقت ابھر رہی ہے، بشمول چین کے۔ بلکہ یہ موجودہ بین الاقوامی نظام میں یک قطبی عالمی نظام کے بتدریج بکھرنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہم ایک ایسی دنیا کا مشاہدہ کر رہے ہیں جہاں طاقت کے مراکز بکھرے ہوئے ہیں، بحران ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، اور اتحاد اس قدر گتھم گتھا ہو گئے ہیں کہ کوئی بھی مطلق بالادستی اب قاعدے کے بجائے ایک استثنا ہے۔

چنانچہ جو کچھ ہو رہا ہے اسے فوری خاتمے کی علامت کے طور پر نہیں بلکہ اس چیز کے بتدریج سکڑنے کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جسے غیر مشروط امریکی برتری کا بلبلہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ بلبلہ ابھی پھٹا نہیں ہے، لیکن تلخ حقائق کے بوجھ تلے بتدریج اپنی ہوا کھو رہا ہے: ختم نہ ہونے والی جنگیں، ڈٹے ہوئے مخالفین، غیر مستحکم منڈیاں اور وہ اتحادی جو ہر بحران کے ساتھ اپنے موقف پر نظر ثانی کر رہے ہیں۔ یہ تمام عوامل مل کر یہ بتاتے ہیں کہ ایران کے ساتھ اپنے مذاکرات میں امریکہ جس سب سے بڑی کامیابی کی امید کر سکتا ہے وہ ایک ایسا معاہدہ ہے جو کسی بھی لمحے ٹوٹ سکتا ہے، خاص طور پر جوہری مسئلے کی پیچیدگیوں کے پیش نظر۔

مختصراً یہ کہ دنیا طاقت کے خلا کی طرف نہیں بڑھ رہی، بلکہ دنیا طاقت کی نئی تقسیم کی طرف بڑھ رہی ہے۔ تاہم، یہ ماننے کا دور کہ کرہ ارض کی پوری تال کو منظم کرنے کے قابل کوئی واحد طاقت موجود ہے، اب اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ اس تبدیلی میں، سلطنتیں ضروری نہیں کہ کسی ایک جنگ میں شکست کھا جائیں، بلکہ وہ بتدریج اس طرح ختم ہوتی ہیں کہ ہر آنے والی جنگ پچھلی جنگ کے مقابلے میں کم فیصلہ کن ہوتی جاتی ہے۔ اس تناظر میں، تکبر اس زوال کو تیز کرنے والا سب سے بڑا عامل ہے۔

تاہم، مغربی غلبے کا زوال تاریخ کے خاتمے کی علامت نہیں ہے، بلکہ یہ ایک بڑے سوال کا آغاز ہے: وہ کون سا وژن (تصور) ہے جو تسلط، تصادم اور صارفیت (consumerism) کی ماری ہوئی اس دنیا کو نجات دلانے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ اس اسٹریٹجک تہذیبی خلا کے عین مرکز میں، اسلام ایک ایسے تہذیبی منصوبے کے طور پر ابھرتا ہے جو انسانیت، طاقت، عدل اور بین الاقوامی تعلقات کا ایک منفرد اور مختلف تصور پیش کرتا ہے۔

ایک ایسے دور میں جہاں جنگوں، بحرانوں اور داخلی تضادات کے بوجھ تلے مغربی یقین و استحکام دم توڑ رہا ہے، تاریخی اور جغرافیائی سرگرمیوں کے مرکز میں اسلام کی واپسی کی بات محض ماضی کی یاد یا کوئی جذباتی لگاؤ نہیں بلکہ ایک ایسا امکان ہے جسے خود دنیا کی تبدیلیوں نے ناگزیر بنا دیا ہے۔ امت کے اندر بڑھتی ہوئی اسلامی بیداری کے پیشِ نظر، یہ افق رسول اللہ ﷺ کی ان بشارتوں سے جڑا ہوا ہے جو "نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ" کی واپسی کے متعلق ہیں؛ جس کا مطلب عدل کے حقیقی مفہوم کو زندہ کرنا اور امت کی وحدت کو دوبارہ بحال کرنا ہے۔ یہ سب کچھ ایک ایسی دنیا کے سامنے ہو رہا ہے جو اپنا اخلاقی اور روحانی توازن کھو چکی ہے، جس کی فکری اور تہذیبی بنیادیں ہل چکی ہیں، اور جس کا اپنے سیاسی و معاشی اداروں پر اعتماد ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ، آج اصل سوال یہ نہیں ہے کہ "دنیا پر حکمرانی کون کر رہا ہے؟" بلکہ سوال یہ ہے کہ "کون سا تہذیبی منصوبہ اسے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے؟"

"تم جہاں چاہو برسو" سے "کبھی ممکن نہیں" تک کا سفر کیسے طے ہوا؟!

تحریر: استاد محمود اللیثی

(ترجمہ)

مصری صدر سیسی نے کہا، "ہمارے پاس اس کے لیے کافی پانی یا زمین نہیں ہے... یہ تصور نہ کریں کہ مصر زرعی پیداوار میں خود کفالت حاصل کر سکتا ہے؛ یہ بالکل ناممکن ہے۔" (قاہرہ 24 پورٹل)۔ سیسی کے اس بیان نے در حقیقت تقریباً ایک دہائی سے جاری خوشنما وعدوں اور بڑے پیمانے پر پروپیگنڈہ پر مبنی منصوبوں کا خاتمہ کر دیا، اور سرکاری طور پر ایک ایسے دور کا آغاز کر دیا جو مصنوعی طور پر پیدا کردہ مایوسی اور خسارے کے انتظام پر مبنی ہے۔ حکومت کی جانب سے موجودہ بحران کو پانی کی کمی، وادی نیل کی تنگی اور آبادی کے بے پناہ اضافے کی وجہ سے پیدا ہونے والی ایک ایسی جغرافیائی و حیاتیاتی مجبوری کے طور پر پیش کرنے کی کوشش، جسے بدلا نہیں جا سکتا، ایک ناقص اور جانبدارانہ تشریح ہے، جس کا مقصد سیاسی اور معاشی جوابدہی سے بچنا ہے۔ مصر کی آبی اور جغرافیائی حقیقت اور اس کا پانی کی قلت کی خطرناک لکیر سے نیچے گر جانا، حکام کے لیے کوئی اچانک حیرت کی بات نہیں تھی۔ بلکہ، یہ ایک معروف سائنسی اور تاریخی حقیقت ہے، جو 1980 کی دہائی سے وزارت آبپاشی کے لٹریچر میں درج ہے۔ اس تزویراتی پسپائی سے پیدا ہونے والا اصل سوال فطرت کی حدود کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ اس منصوبہ بندی کی نیت اور اس سیاسی فیصلہ سازی کی آزادی کی حد کے بارے میں ہے جس نے ان وسائل کا انتظام کیا، یا یوں کہیے کہ انہیں ضائع کر دیا۔

ناکامی کے کثیر الجہتی مظاہر اس وقت واضح ہو جاتے ہیں جب اس دل شکن کلام اور گزشتہ برسوں کے دوران اسی حکومت کی جانب سے کیے گئے ساختی فیصلوں کے درمیان براہ راست اور معروضی موازنہ کیا جائے۔ 2015 میں، عوام کی بچت کے 64 ارب مصری پاؤنڈز، جو اس وقت 8 ارب امریکی ڈالر سے زیادہ بنتے تھے، اکٹھے کیے گئے اور ان کو مکمل طور پر نہر سویز کی ایک متوازی شاخ کی خشک کھدائی اور توسیع میں جھونک دیا گیا تاکہ لوگوں کے حوصلے بلند کیے جا سکیں اور عارضی سیاسی ساکھ خریدی جا سکے، بجائے اس کے کہ ان خطیر رقوم کو آزاد پیداواری اثاثوں کی تعمیر کی طرف موڑ دیا

جاتا۔ اگر یہ پیسہ پانی کے شعبے کے لیے مختص کیا جاتا، تو یہ مصر کے ساحلوں پر سمندری پانی کو میٹھا بنانے کے تقریباً اسی بڑے پلانٹس کی تعمیر کے لیے کافی ہوتا، جس سے سالانہ 3 ارب کیوبک میٹر پینے کا صاف پانی پیدا ہوتا، جو دریائے نیل پر سے بوجھ کو مکمل طور پر ختم کرنے اور اس کے پورے حصے کو زراعت کی طرف موڑنے کے لیے کافی ہوتا۔ یہ رقم سیلابی آبپاشی کے نظام کو جدید بنانے اور ڈیلٹا اور وادی کی تمام پرانی زرعی زمین کو سمارٹ ڈرپ اریگیشن (قطرہ قطرہ آبپاشی) میں تبدیل کرنے کے لیے بھی کافی تھی، جس سے سالانہ بخارات بن کر اڑنے اور رسنے کی وجہ سے ضائع ہونے والے تقریباً 15 ارب کیوبک میٹر پانی کو بچایا جا سکتا تھا۔ صرف پانی کی یہ بچت ہی خسارے کی صورتحال کو بدلنے کے لیے کافی ہوتی، جس سے گندم اور مکئی جیسی تزویراتی فصلوں کے ساتھ لاکھوں اضافی ایکڑ رقبے پر کاشتکاری ممکن ہو جاتی، اور بنیادی وسائل کی کمی کا ماتم کرنے کے بجائے غذائی تحفظ کے اشاریوں میں نمایاں بہتری آتی۔

یہ ناکامی صرف مقامی منصوبہ بندی تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ سیسی کی جانب سے کی گئی تباہ کن جغرافیائی وسیاسی رعایتوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، جن میں سب سے نمایاں مارچ 2015 میں خرطوم میں گرینڈ ایتھوپین رینیسانس ڈیم (GERD) کے حوالے سے 'اعلانِ اصول' کے معاہدے پر دستخط کرنا ہے۔ اس معاہدے نے ایتھوپیا کو وہ بین الاقوامی اور قانونی جواز فراہم کر دیا جس کی اسے دہائیوں سے کمی تھی، جس سے فنڈنگ، ڈیم کی تعمیر، اور یکطرفہ طور پر ڈیم بھرنے کی 'امرِ واقعہ' (fait accompli) کی پالیسی مسلط کرنے کے راستے کھل گئے۔ اس نے عملی طور پر مصر کی واحد شہ رگ کو ایک ایسی ٹونٹی میں بدل دیا جسے غیر ملکی طاقتیں کنٹرول کرتی ہیں۔ اس طرح قدرتی چیلنجز کو دانستہ محاصرے کے ہتھیاروں میں تبدیل کر دیا گیا ہے، کیونکہ زرعی اور سیاسی بیوروکریسی نے کم وقت میں تیار ہونے والے اور خشک سالی کے خلاف مزاحمت رکھنے والے بیجوں اور پودوں پر مقامی تحقیق کے ذریعے تکنیکی آزادی کی جنگ لڑنے سے انکار کر دیا ہے، اور روایتی کسانوں کو کفایت شعاری کے اقدامات کی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے۔ دوسری طرف، فلسطین پر قابض یہودی وجود غذائی تحفظ کے عالمی اشاریے میں 24 ویں نمبر پر ہے اور سبزیوں، پولٹری اور ڈیری مصنوعات میں تقریباً 100 فیصد خود کفیل ہے، باوجود اس کے کہ وہ مصر جیسے صحرائی منظرنامے اور پانی کی شدید قلت کا حامل ہے۔ اس کی وجہ 90 فیصد استعمال شدہ پانی کو دوبارہ قابلِ استعمال بنانے اور جدید آبپاشی (precision irrigation) کے طریقوں پر اس کا ابتدائی تزویراتی بھروسہ ہے۔

سائیکس-پیکو (Sykes-Picot) کی تنگ سرحدوں میں محصور جدید قومی ریاست کی حدود اور اسلام کے وسیع جغرافیے کے درمیان موازنہ موجودہ بحران کے ساختی پہلو کی وضاحت کرتا ہے۔ جب خلیفہ (ہارون الرشید) نے بادلوں سے

مخاطب ہو کر کہا تھا: (أمطري حيث شئتِ فخراجكِ آتيني) "تم جہاں چاہو برسو، تمہارا خراج (ٹیکس) میرے پاس ہی آئے گا"۔

یہ محض الفاظ کی جادوگری نہیں تھی بلکہ ایک ایسی وسیع اور خودمختار ریاست کا اظہار تھا جو علاقائی رسوم و رواج اور سیاسی سرحدوں سے بالاتر تھی۔ یہ عظیم الشان ریاست دریاؤں کو ان کے منبع (شروع) سے لے کر ان کے دہانے (اختتام) تک کنٹرول کرتی تھی، اور اس کی زرخیز زمینیں، یعنی سوڈان، عراق اور مصر کی زمینیں، مالیاتی بچت اور وافر بارشوں کے ساتھ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔ اس جغرافیے کی توڑ پھوڑ اور مصر کو صحراؤں میں گھری ہوئی ایک تنگ پٹی تک محدود کر دینے نے خالصتاً قوم پرستانہ نقطہ نظر سے خود کفالت کو ناممکن بنا دیا ہے۔ موجودہ حکمران اس قوم پرستانہ قید کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام میں خوف اور محتاجی کی نفسیات پیدا کرتے ہیں، اور لوگوں کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی شرائط کے آگے سر جھکانا اور ڈالر حاصل کرنے کے لیے اثاثوں اور بندرگاہوں کو بیچنا ہی بقا اور بنیادی ضروریات کے حصول کا واحد ناگزیر راستہ ہے۔

اس بند گلی کی صورتحال میں، حزب التحریر کی جانب سے پیش کردہ متبادل تہذیبی منصوبہ، جو نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت راشدہ کے قیام کی جدوجہد کرتا ہے، محتاجی کے اس شیطانی چکر کو توڑنے کے لیے ایک ابتدائی ماڈل کے طور پر سامنے آتا ہے۔ حزب کا مجوزہ دستور کسی بھی وجہ سے زمین کو تین سال سے زیادہ عرصے تک بنجر چھوڑنے کی ممانعت کرتا ہے، اور ایسے سخت شرعی احکام نافذ کرتا ہے جو زمینیں اجارہ داروں سے واپس لے کر ان لوگوں کو دیتے ہیں جو اسے کاشت کرتے ہیں، جبکہ انسانی اور مالی وسائل اور دولت کو ایک متحدہ اسلامی جغرافیائی و سیاسی خطے میں ضم کر دیتے ہیں جو استعماری سرحدوں کی لعنت کو ختم کر دیتا ہے۔ مزید برآں، حزب کا صنعتی وژن صرف تکنیکی جمود پر نہیں رکتا بلکہ یہ ایک آزاد بھاری صنعت (heavy industry) کی پالیسی کو نافذ کرنے، اور مقامی طور پر مشینری اور انجن بنانے پر مبنی ہے تاکہ تمام صنعتی شعبوں بشمول زراعت اور آبپاشی کی خدمت کی جا سکے، اور تجرباتی تعلیمی نصاب کو بیجوں اور پانی کو میٹھا بنانے (desalination) کی بائیو ٹیکنالوجی ریسرچ کے ساتھ جوڑا جا سکے۔ موجودہ نظام کے تحت ان خودمختار حلوں پر عمل درآمد ناممکن ہے، لیکن یہ ایک ایسی نظریاتی ریاست کے لیے ناگزیر متبادل بن جاتے ہیں جو کافر استعمار کی غلامی سے انکار کرتی ہے۔

سیسی کی حالیہ تقریر کے پس پردہ گہرا پیغام محض اعداد و شمار کی فہرست پیش کرنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے سزا کی ایک ڈھکی چھپی دھمکی ہے جنھوں نے کبھی 25 جنوری کے اپنے انقلاب کے ذریعے اپنی طاقت دوبارہ حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے کی جرات کی تھی؛ یہ ان کے عزم کو توڑنے کی ایک کوشش ہے تاکہ انہیں یہ یقین دلایا جاسکے کہ ان کے پاس آزادانہ زندگی گزارنے کے ذرائع نہیں ہیں، اور ان کی خواہشات قرضوں اور سمجھوتوں میں ڈوبی ہوئی ایک معمولی زندگی سے آگے نہیں بڑھنی چاہئیں۔ غذائی تحفظ کا قدرتی اور سادہ حل تاریخی اتحاد و یگانگت کی اس وسیع و عریض ریاست میں پوشیدہ تھا، جہاں وسائل کی آزادانہ نقل و حمل ہوتی تھی اور جہاں سے وہ چاہتے تھے اپنی برکتیں برساتے تھے۔ تاہم، زوال کے موجودہ دور میں، سائنسی جدت اور جرات مندانہ، آزاد ارادے کے ذریعے رکاوٹوں کو عبور کرنے کے بجائے، حکومت نے ناکامی کا جواز پیش کرنے، محتاجی کو پختہ کرنے اور اس امت پر "میں تمہیں وہی کچھ دکھاتا ہوں جو میں خود دیکھتا ہوں" کی ذہنیت مسلط کرنے کے لیے جغرافیائی مجبوری کا سہارا لیا، جس کا مقصد امت کو چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور اپنا مستقبل خود بنانے کی اس کی صلاحیت بھلا دینا ہے۔

اے مصرِ کنانہ (ترکشِ الٰہی) کے لوگو! اے فاتحین اور جلیل القدر علماء کی اولادو! یہ سیاہ حقیقت جو آپ پر مسلط کی جا رہی ہے کوئی اٹل مقدر نہیں ہے، بلکہ یہ آپ کو فرضی سرحدوں اور غلامانہ پالیسیوں میں جکڑنے کا نتیجہ ہے جس نے آپ کو اپنی زمین اور پانی پر آزادانہ کنٹرول سے محروم کر دیا ہے۔ اس تاریک سرنگ سے نکلنے کا راستہ بے بسی کی تقریروں کے سامنے ہتھیار ڈالنے میں نہیں ہے، بلکہ ہوش و حواس اور جرات کے ساتھ امت کے اس تزویراتی اور نظریاتی منصوبے کے گرد متحد ہونے میں ہے جسے حزب التحریر نے نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت راشدہ کے قیام کے لیے اپنایا ہے؛ وہ ریاست جو صلاحیتوں کو یکجا کرتی ہے، قوم پرستانہ سرحدوں کو پاش پاش کرتی ہے، اور امت کو اس کا وقار، غذائی تحفظ اور سیاسی آزادی واپس دلاتی ہے۔ یہ عظیم منصوبہ نوجوانوں اور ابھرتی ہوئی نئی نسل کی امنگوں کے لیے واحد شہ رگ ہے۔ یہ انہیں مایوسی اور محرومی کے گرداب سے نکال کر ان کے اندر اسلام کے عظیم عقیدے سے تعلق کا گہرا احساس پیدا کرے گا، اور انہیں ایک ایسی امت سے وابستگی پر فخر سے بھر دے گا جو اپنی عزت صرف اللہ (سبحانہ وتعالیٰ) اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعے تلاش کرتی ہے۔ پس، اپنے دین کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے چھینے ہوئے اقتدار کو واپس حاصل کریں، تاکہ آپ کی پاک سرزمین پر بیداری کا سورج ایک بار پھر چمکے، اور امت ایک پیروکار کے بجائے لیڈر اور ایک نقال کے بجائے رہنما بن کر لوٹ آئے۔

ولایہ مصر میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ: نئے عالمی نظام میں تنازعات کے نقشے

تحریر: استاد نبیل عبدالکریم

(ترجمہ)

تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں، بین الاقوامی اثر و رسوخ کی جنگیں اب صرف سرحدوں اور فوجوں تک محدود نہیں رہیں۔ توانائی بڑے تنازعات کا پوشیدہ محرک بن چکی ہے۔ دہائیوں تک، مشرقِ وسطیٰ، خاص طور پر خلیج اور ایران، اس عالمی کشمکش کا مرکز رہے ہیں، جہاں تمام تر توجہ تیل اور اس کی اہم تجارتی گزرگاہوں پر مرکوز تھی۔ تاہم، ابھرتی ہوئی جغرافیائی سیاسی (geopolitical) تبدیلیوں اور عالمی معیشت کی بدلتی ہوئی نوعیت کے ساتھ، بین الاقوامی مقابلے کا رخ ایک دوسرے براعظم کی طرف مڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے جو بے پناہ دولت اور بے مثال سٹریٹیجک صلاحیتوں کا حامل ہے: یعنی افریقہ۔

براعظم افریقہ اب محض ایک ابھرتی ہوئی مارکیٹ یا مراکزِ قدرت سے دور کوئی جغرافیائی حاشیہ نہیں رہا۔ یہ توانائی اور ان نایاب معدنیات (Rare Earth Elements) کا ایک عالمی ذخیرہ بن چکا ہے جن پر مستقبل کی صنعتوں کا انحصار ہے، چاہے وہ الیکٹرک گاڑیاں ہوں، مصنوعی ذہانت (AI) ہو یا فوجی ٹیکنالوجی۔ مشرقِ وسطیٰ میں کچھ روایتی تنازعات کے کم ہونے کے امکان کے ساتھ، ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے: کیا افریقہ 21ویں صدی کی توانائی اور وسائل پر

ہونے والے بین الاقوامی تنازعات کا نیا میدان بنے گا؟ بلاشبہ، یہ تبدیلی صرف تیل کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ اثر و رسوخ، اسٹریٹجک آبی گزرگاہوں اور ان معدنیات کے لیے ایک وسیع تر جدوجہد ہے جو آنے والی دہائیوں میں عالمی طاقت کی صورتگری کریں گے۔

چنانچہ، براعظم افریقہ بڑی طاقتوں کے درمیان مقابلے کا مرکز، اور شاید مستقبل کے تنازعات کا خطرناک ترین میدان بننے کے لیے تیار ہے۔ ہم ایک "لچکدار دوقطبی نظام" (flexible bipolarity) کی طرف منتقلی کا آغاز دیکھ رہے ہیں، اگرچہ یہ اپنے کلاسیکی مفہوم میں نہیں ہے۔

دہائیوں سے، خلیجِ عرب اپنے تیل کے وسیع ذخائر اور آبنائے ہرمز جیسی اہم بحری گزرگاہوں پر کنٹرول کی وجہ سے عالمی مرکزِ ثقل رہی ہے، جہاں سے عالمی توانائی کی تجارت کا ایک بڑا حصہ گزرتا ہے۔ تاریخی طور پر، بڑی طاقتیں صنعتی دنیا کی سلامتی کو براہِ راست اس خطے کے استحکام سے وابستہ دیکھتی رہی ہیں۔ تاہم، حالیہ واقعات نے خطے کے استحکام کو متزلزل کر دیا ہے، اور یہ مغرب، بالخصوص ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مفاد میں ہے کہ اس عدم استحکام کو برقرار رکھا جائے۔ مغرب اس خطے کو اسلام کی نشاۃِ ثانیہ (دوبارہ ابھرنے) کے لیے ایک زرخیز زمین کے طور پر دیکھتا ہے، اور وہ بڑی علاقائی طاقتوں کو تقسیم کر کے، بعض خلیجی ریاستوں کو غریب (معاشی طور پر کمزور) کر کے، اور کلیدی آبناؤں پر امریکی کنٹرول اور ان کی ممکنہ ناکہ بندی کو برقرار رکھ کر اس خطے کو کمزور کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ یہ تمام عوامل دنیا کو اس خطے سے باہر توانائی کے محفوظ ذرائع کی طرف دھکیل دیں گے۔

دیگر عوامل بھی اس براعظم میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کا باعث بن رہے ہیں، جن میں شامل ہیں:

اول: عالمی سطح پر توانائی کی بدلتی ہوئی نوعیت بیسویں صدی میں تیل کی حکمرانی تھی۔ آج دنیا ایک ایسے مختلف دور میں داخل ہو رہی ہے جس کی بنیاد الیکٹرک گاڑیاں، دیو ہیکل بیٹریاں، قابلِ تجدید توانائی، مصنوعی ذہانت اور جدید تکنیکی صنعتیں ہیں۔ ان تمام صنعتوں کو محض تیل کے مقابلے میں سٹریٹیجک معدنیات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، جیسے کہ کوبالٹ، لیتھیم، نکل، تانبا اور سترہ نایاب زمینی عناصر (REEs)۔ یہی وجہ ہے کہ براعظم افریقہ بڑی طاقتوں کی نظروں میں آ چکا ہے، کیونکہ یہ ان وسائل کا ایک بڑا حصہ رکھتا ہے۔

دوم: خلیج کی توانائی کی اجارہ داری میں کمی اگرچہ خلیج کی اہمیت برقرار رہے گی، لیکن عالمی سطح پر توانائی کے ذرائع میں تنوع اور نئے خطوں میں گیس کی پیداوار میں اضافے کی وجہ سے دنیا نے اس پر اپنا خصوصی انحصار کم کرنا شروع کر دیا ہے۔

ہمیں اپنے شیل آئل (shale oil) کو فروغ دینے کی امریکی کوششوں کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے، جیسا کہ امریکہ - چین معاہدے میں دیکھا گیا ہے، جس کے تحت امریکہ چین کو تیل فراہم کرے گا۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ دنیا اپنی معاشی سلامتی کو کسی ایک انتہائی غیر مستحکم خطے سے وابستہ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہی ہے، اور یہی بالکل وہی چیز ہے جو امریکہ چاہتا ہے۔

سوم: افریقہ مقابلے کے لیے ایک کھلا میدان ہے خلیج میں، سیاسی اور فوجی اثر و رسوخ دہائیوں سے تقریباً طے شدہ رہا ہے۔ تاہم، افریقہ اثر و رسوخ کا ایک غیر مستحکم دائرہ ہے، جو تا حال غیر استعمال شدہ وسائل سے مالا مال ہے اور اس کے بیشتر ممالک سیاسی کمزوری کا شکار ہیں۔ یہاں روایتی فوجی اڈوں اور اتحادوں کی بھرمار بھی کم ہے، جو بڑی طاقتوں کو نیا اور طویل مدتی اثر و رسوخ قائم کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

چہارم: افریقہ کا جغرافیائی محل وقوع افریقہ نہ صرف قیمتی وسائل کا حامل ہے بلکہ یہ اہم بحری گزر گاہوں جیسے کہ آبنائے باب المندب، نہر سویز، اور بحر اوقیانوس و بحر ہند کے ساحلوں پر بھی کنٹرول رکھتا ہے۔ افریقہ پر کنٹرول کا مطلب عالمی تجارت اور توانائی کی گزر گاہوں پر اثر انداز ہونا ہے۔

پنجم: آنے والا تنازع مستقبل کی معدنیات پر ہو گا امریکہ، چین اور یورپ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ جو کوئی افریقی معدنیات پر کنٹرول حاصل کرے گا، اسے بے پناہ معاشی اور تکنیکی برتری حاصل ہو جائے گی۔ دنیا کے کوبالٹ کے زیادہ تر ذخائر جمہوری جمہوریہ کانگو میں واقع ہیں، جنوبی افریقہ نایاب زمینی عناصر (REEs) میں سب سے مالا مال خطہ ہے، اور نائجر یورینیم سے بھرا ہوا ہے، جبکہ موزمبیق میں گیس کے وسیع ذخائر کا تو ذکر ہی الگ ہے۔ اس لیے، افریقہ کا تعلق براہِ راست مستقبل کی صنعتوں سے ہے، نہ کہ صرف دنیا کو روایتی ایندھن فراہم کرنے سے۔ چنانچہ، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا خود کو مشرقِ وسطیٰ کے ان تنازعات سے دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے جنہوں نے اسے تھکا دیا ہے، اور ایسے خطوں کی تلاش میں ہے جو سیاسی اور فوجی لحاظ سے کم مہنگے ہوں اور براہِ راست فوجی مداخلت کے بجائے معاشی اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لیے زیادہ موزوں ہوں۔

بڑی طاقتیں اس وقت خلیج کی طرف اس لیے رخ نہیں کر رہیں کہ تیل کی اہمیت ختم ہو گئی ہے، بلکہ اس لیے کہ دنیا ایک ایسے نئے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جہاں اب تنازعات محض تیل تک محدود نہیں رہے، بلکہ ان کا دائرہ توانائی، ٹیکنالوجی، معدنیات اور سپلائی چینز (رسد کی ترسیل) تک پھیل چکا ہے۔ افریقہ ان میں سے زیادہ تر وسائل کا مالک ہے۔

اسی وجہ سے، ہم آنے والے دنوں میں بین الاقوامی مقابلے کے مراکز کو خلیج اور ایران سے بتدریج افریقی براعظم کی طرف منتقل ہوتے دیکھ سکتے ہیں، جسے مستقبل کے وسائل کا ایک سٹریٹیجک ذخیرہ تصور کیا جاتا ہے۔

پچھلے کچھ عرصے سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ مشرقِ وسطیٰ کے حوالے سے امریکی پالیسیاں اس کی حساسیت کی وجہ سے اس خطے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی خواہش ظاہر کرتی ہیں۔ اس نے کلیدی ریاستوں کو کمزور کر دیا ہے، افواج اور حکومتوں کو تحلیل کر دیا ہے، خطے کو معاشی طور پر تھکا دیا ہے، اور ان آمرانہ حکمرانوں کو ہٹا دیا ہے جو یا تو اس کے اپنے پیدا کردہ تھے یا طویل عرصے سے اقتدار پر قابض تھے۔ اس نے برسوں سے سوئی ہوئی کشیدگیوں کو ہوا دی ہے، مسلکی، لسانی اور ترقیاتی تقسیم پیدا کی ہے، اور علاقائی استحکام کا خاتمہ کر دیا ہے۔ 2003 میں عراق پر حملے سے لے کر 2026 تک، اور ایرانی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش تک، جو واضح طور پر تیز رفتاری سے جاری ہے، اس سب کا مقصد پورے خطے کے وسائل کو نچوڑنا اور "یہودی وجود" (صیہونی ریاست) کی صلاحیتوں میں اضافہ کرنا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہودی وجود خلافت کے قیام کو روکنے کے لیے کس قدر بے چین ہے، جس کے آنے کے بارے میں انہیں بخوبی علم ہے اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کے ظہور کے لیے مشرقِ وسطیٰ بہترین جگہ ہے۔

وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں ایک ایسی پھیلتی ہوئی طاقت کے ظہور کو روکنے کے لیے متحد ہو جائیں جو ان کے مفادات کو خطرے میں ڈال سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ توانائی کے تحفظ اور بحری گزرگاہوں کو یقینی بنانا، طاقت کا توازن اپنے کنٹرول میں رکھنا اور یہ ذمہ داری یہودی وجود کے سپرد کرنا چاہتے ہیں، تاکہ ان کے کنٹرول کے بغیر کسی بھی معاشی یا فوجی طور پر خودمختار بلاک کی تشکیل کو روکا جا سکے۔

"تخلیقی تخریب" (creative destruction) اور "تخلیقی انتشار" (creative chaos) کا نظریہ، جس کا اعلان 2006 میں اس وقت کی امریکی وزیر خارجہ کونڈولیزا رائس نے مشرقِ وسطیٰ کے بارے میں بات کرتے ہوئے کیا تھا، اس خیال سے جڑا ہوا ہے کہ یہ ایک پہلے سے تیار شدہ نظریہ تھا، یا پھر جنگوں میں امریکہ کی شمولیت کا مقصد اپنے اثر و رسوخ کو وسعت دینا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انتشار پھیل گیا، اور اب امریکہ اپنے مفادات کے مطابق مشرقِ وسطیٰ کے نقشے کو ازسرِ نو ترتیب دینے کا اعلان کر رہا ہے۔

نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کا قیام اب قریب ہے، اور اللہ کے حکم سے یہ ان کی نظروں کے سامنے قائم ہو گی، جب وہ اپنی دولت خرچ کر چکے ہوں گے۔ ان تمام سازشوں کے بعد، اللہ کے حکم سے انہیں شکست ہو گی۔ اللہ سبحانہ و

تعالیٰ فرماتا ہے:﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ "بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روک دیں، سو وہ اسے خرچ کرتے رہیں گے، پھر وہی (مال) ان کے لیے باعثِ حسرت بنے گا، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اور جو لوگ کافر ہیں وہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔"(سورۃ الانفال:36)

لٰہذا، ہم روئے زمین کے ہر مسلمان اور بالخصوص مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے خلاف بنی جانے والی ان سازشوں سے ہوشیار رہیں۔ ان کی طاقت کفار کے سامنے سجدہ ریز ہونے میں نہیں ہے تاکہ وہ اپنی ہی امت کے خلاف ان کے منصوبوں کو نافذ کریں؛ بلکہ حقیقی طاقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کی طرف لوٹنے میں ہے، وہ دین جو دنیا پر حکمرانی کرے گا، اس سیارے سے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کے اثرات کو مٹا دے گا اور اپنے عقیدے، روشنی اور عدل وانصاف کو پھیلائے گا۔

اے مسلمانوں! اے اہلِ قوت اور نصرت (فوجی طاقت رکھنے والو)! اس دین کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہو! کیونکہ ہماری آپسی دشمنی کا فائدہ صرف ہمارے دشمنوں کو پہنچے گا۔ ایک ریاست میں، ایک ہی خلیفہ کی قیادت میں ہمارا اتحاد — جہاں اللہ کے نازل کردہ تمام احکامات کے مطابق حکمرانی ہو اور جو ہماری زندگیوں کو شریعت کے مطابق از سرِ نو ترتیب دے، ہمیں دوبارہ وہی 'بہترین امت' بننے کا موقع فراہم کرے گا جو انسانیت (کی فلاح) کے لیے نکالی گئی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْراً لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾"تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے نکالی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب (بھی) ایمان لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں لیکن ان کے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔"(سورۃ آلِ عمران:110)

وسطی ایشیا دو انتخاب کے درمیان: محکومی یا آزادی

وسطی ایشیا کی اقوام آج دو راستوں کے سامنے کھڑی ہیں: یا تو امریکہ، چین اور روس جیسی بڑی طاقتوں کی راہداریوں میں خادم بن کر رہیں، یا اپنے ایمان اور اتحاد پر بھروسہ کرتے ہوئے دنیا کے سامنے عدل و انصاف کا ایک نیا نظام پیش کریں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی ہم اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے دین پر متحد ہوئے، ہم طاقتور اور باعزت رہے، اور جب کبھی ہم استعمار کے سستے وعدوں کے دھوکے میں آئے، ہمیں ناانصافی اور محکومی کا سامنا کرنا پڑا۔ آج کے جغرافیائی سیاسی طوفان ہمیں ایک بار پھر اس عظیم الشان اتحاد کی طرف پکار رہے ہیں۔ اور یہ اتحاد محض ایک معاشی اتحاد نہیں ہے، بلکہ خلافت کی ریاست کے سائے میں ایک سیاسی اور اعتقادی وحدت ہے۔

مزید برآں، خلافت کی واپسی کے ساتھ ہی وہ مصنوعی سرحدیں اور تنگ نظر قوم پرستانہ مفادات کی رکاوٹیں ختم ہو جائیں گی جو وسطی ایشیا کے ممالک کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ یہ عظیم ریاست اس خطے کو غیر ملکی طاقتوں کے جغرافیائی سیاسی کھلونے سے بدل کر دنیا کے صفِ اول کے مرکزِ طاقت میں تبدیل کر دے گی۔ خلافت کے سائے میں، آمد و رفت کی گزرگاہیں استعمار کی غصب شدہ دولت کی منتقلی کے لیے استعمال نہیں ہوں گی، بلکہ اس کے بجائے مسلمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے اور پوری دنیا میں اسلام کے پیغامِ رسالت کو پھیلانے کا ذریعہ بنیں گی۔ ہماری امت کی عزت اور اس خطے کی حقیقی آزادی اسی الٰہی نظام کی واپسی سے جڑی ہے۔ بیشک یہ روشن دن، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اذن سے، بہت قریب ہیں: ﴿لِلَّهِ الْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِن بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ "اختیار تو پہلے بھی اللہ ہی کا تھا اور بعد میں بھی (اسی کا ہو گا) اور اس دن مومن خوش ہوں گے * اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہی غالب اور نہایت رحم والا ہے"۔ (سورۃ الروم: 4-5)

سوڈانی جنگ میں پڑوسی ممالک کا کردار

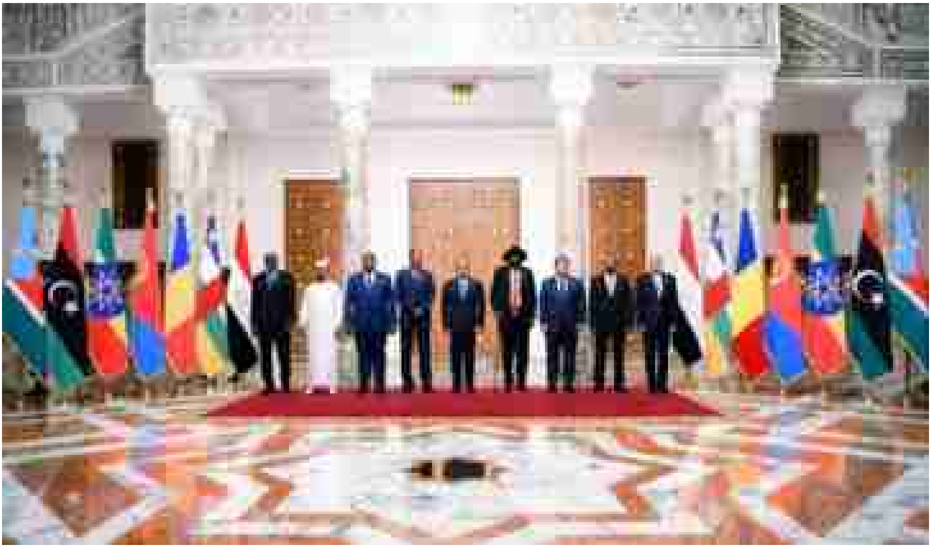

تحریر: استاد ابراہیم مشرف -(ترجمہ)

سوڈان ایسے متعدد ممالک میں گھرا ہوا ہے جو سائیکس-پیکو (Sykes-Picot) معاہدے کی پیداوار ہیں: شمال میں مصر، شمال مغرب میں لیبیا، مغرب میں چاڈ، جنوب مغرب میں وسطی افریقی جمہوریہ، جنوب میں جنوبی سوڈان، جنوب مشرق میں ایتھوپیا، مشرق میں اریٹیریا، اور شمال مشرق میں بحیرہ احمر کے پار سعودی عرب واقع ہے۔ اس جغرافیائی صورتحال نے ان ممالک کو سوڈانی فوج اور ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) کی ملیشیا کے درمیان جاری جنگ پر اثر انداز ہونے کا موقع دیا ہے، خواہ وہ ان کی سرزمین پر پناہ گزینوں کی آمد کی صورت میں ہو یا سیاسی و فوجی ذرائع سے جنگ میں ان کی فعال شرکت کے ذریعے ہو۔

مئی 2023 میں سعودی کردار کا آغاز 'جدہ پلیٹ فارم' سے ہوا، جو سعودی عرب اور امریکہ کی مشترکہ سرپرستی میں مذاکرات کا ایک سلسلہ تھا۔ امریکہ نے اس جنگ میں امن کے عمل کی ذمہ داری سعودی عرب کو سونپی، اور یوں پیر 22 مئی 2023 کو 'جدہ پلیٹ فارم' کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بعد امریکہ کے ایماء پر جنگ بندی کے معاہدوں کی بھرمار ہو گئی۔

امریکہ ہی وہ قوت ہے جو سوڈان میں واقعات کا رخ متعین کر رہا ہے اور جدہ مذاکرات کو کنٹرول کر رہا ہے۔ جدہ میں دونوں فریقوں کے درمیان طے پانے والے معاہدے کی تصدیق افریقی امور کے لیے امریکی اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ مولی فی (Molly Phee) نے 14 سے 16 مئی 2023 تک ادیس ابابا میں ہونے والی ملاقاتوں کے دوران کی تھی۔ انہوں نے جدہ مذاکرات کے بارے میں معلومات فراہم کیں جن کا مقصد مختصر مدتی جنگ بندی کو یقینی بنانا تھا تاکہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر امداد کی فراہمی ممکن ہو سکے۔ اس کے بعد واشنگٹن میں امریکہ کی قیادت میں چار فریقی گروپ (Quartet) بشمول امریکہ، مصر، سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے اجلاس ہوئے، جنہیں برہان نے شروع میں مسترد کر دیا تھا۔ تاہم، بعد میں انہوں نے امریکی صدر ٹرمپ کے ساتھ کام کرنے پر آمادگی ظاہر کی، اور بن سلمان کی دعوت پر ریاض کے سرکاری دورے کے اختتام پر انہوں نے صدر ٹرمپ، امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو اور سوڈان کے لیے ٹرمپ کے خصوصی امن ایلچی مسعد بولس کے ساتھ امن کی کوششوں اور جنگ کے خاتمے کے لیے مل کر کام کرنے کے سوڈانی عزم کی توثیق کی۔

اس طرح سعودی عرب نے برہان کی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے سوڈانی جنگ میں اپنا کردار ادا کیا؛ یہ حقیقت اس وقت واضح ہوئی جب تنازع کے تین ماہ بعد جمعرات 13 جولائی 2023 کو قاہرہ میں سوڈان کے پڑوسی ممالک کا سربراہی اجلاس ختم ہوا۔ یہ سربراہی اجلاس یورپ کی حمایت یافتہ سوڈانی اپوزیشن جماعتوں کی جانب سے امن عمل پر قبضہ کرنے کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے بلایا گیا تھا۔ پڑوسی ممالک کی قاہرہ کانفرنس نے سوڈانی فوج اور ریپڈ سپورٹ فورسز سے جنگ ختم کرنے کی اپیل کی اور غیر ملکی مداخلت سے پاک ایک جامع مذاکرات کی دعوت دی۔

یہ کانفرنس اپریل 2023 کے وسط میں تنازع شروع ہونے کے دو ماہ بعد منعقد ہوئی تھی، جس کا مقصد انسانی صورتحال کی شدید ابتری کو روکنا اور لاکھوں لوگوں کو خوراک، پناہ گاہ، صحت کی دیکھ بھال اور تحفظ فراہم کرنا تھا۔ یہ بالکل وہی تھا جو اس جنگ کو بھڑکانے والے ملک امریکہ کا ارادہ تھا: یعنی ایک ایسا حل جو صرف جنگ بندی اور انسانی ہمدردی کی راہداریوں کو کھولنے تک محدود ہو، تاکہ سوڈان میں برطانوی اثر و رسوخ کو ختم یا کم کیا جا سکے اور اگر وہ چاہے تو دارفر کے علاقے کو الگ کر دے۔ اس نے ٹرمپ کے "پسندیدہ آمر" سیسی کو برہان کی حکومت کو مستحکم کرنے میں سیاسی کردار ادا کرنے کی ہدایت کی۔ مصر کے سیاسی کردار کو آسان بنانے کے لیے مصر، پال اور امریکی محکمہ خارجہ کے درمیان ملاقاتیں ہوئیں۔

جہاں تک لیبیا اور ریپڈ سپورٹ فورسز کے ساتھ اس کے تعلقات کا تعلق ہے، امریکہ میں قائم واچ ڈاگ تنظیم 'دی سینٹری'(The Sentry) کی نومبر 2025 کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ لیبیا کے کمانڈر خلیفہ حفتر کی وفادار فورسز متحدہ عرب امارات کی ایماء پر ریپڈ سپورٹ فورسز کو اسمگل شدہ ایندھن فراہم کر رہی تھیں۔ اس لایعنی جنگ میں چاڈ کی مداخلت ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) کو انسانی ہمدردی کی امداد کے لبادے میں 'ادرے'(Adré) سرحدی گزرگاہ کے ذریعے رسد اور گولہ بارود فراہم کرنا ہے۔ وسطی افریقی جمہوریہ (CAR) بھی سوڈانی تنازع سے محفوظ نہیں رہی، خاص طور پر ادرے گزرگاہ کی بندش کے بعد۔ جون 2023 کے وسط میں جنوبی دارفر ریاست کے سرحدی قصبے 'ام دفوق' پر ریپڈ سپورٹ فورسز کا قبضہ ایک اہم پیش رفت ہے۔ یہ قصبہ سوڈان اور وسطی افریقی جمہوریہ کو ملانے والا واحد تجارتی راستہ ہے، اور ام دفوق گزرگاہ کو ریپڈ سپورٹ فورسز کے لیے ایک انتہائی تزویراتی علاقہ سمجھا جاتا ہے، جن کے اثر و رسوخ کے اہم علاقے مغربی سوڈان میں ہیں، خاص طور پر جب سے چاڈ نے سوڈان کے ساتھ اپنی سرحد بند کی ہے، جس سے دونوں ممالک کے درمیان سپلائی لائنیں اور جنگجوؤں کی نقل و حرکت منقطع ہو گئی ہے۔

جنوبی سوڈان کی نئی آزاد ریاست، جس کی شہ رگ شمالی سوڈان ہے، انسانی ہمدردی کی امداد کے بہانے ریپڈ سپورٹ فورسز کو ہتھیاروں کی ترسیل کے لیے ایک بڑے راستے کے طور پر کام کر رہی ہے، اور نیلِ ازرق (Blue Nile) اور کادوقلی سرحدوں پر نئے جنگی محاذ کھولنے کے لیے بھی استعمال ہو رہی ہے، جسے 'اطراف کو پھیلانے'(stretching the periphery) کی حکمت عملی کہا جاتا ہے۔ الجزیرہ نے 12 دسمبر 2025 کو رپورٹ کیا کہ جنوبی سوڈان کے آرمی چیف پال نانگ نے بیان دیا کہ ان کے ملک نے سرحد کے قریب تزویراتی اہمیت کے حامل ہیگلیگ (Heglig) آئل فیلڈ کی حفاظت کے لیے سوڈان میں فوجیں تعینات کی ہیں، کردوفان میں جاری جھڑپوں کے درمیان ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) کے اس پر قبضے کے چند دن بعد یہ اقدام کیا گیا۔ جنرل نانگ نے تصدیق کی کہ اس تعیناتی کی منظوری جنوبی سوڈان کے صدر سلوا کیر، سوڈانی خود مختار کونسل کے چیئرمین عبد الفتاح البرہان اور ریپڈ سپورٹ فورسز کے کمانڈر محمد حمدان دقلو (حمیدتی) نے دی تھی۔ فوج کے سرکاری ترجمان بریگیڈیئر جنرل عاصم عوض عبد الوہاب نے بتایا کہ ایتھوپیا کے باہر دار ہوائی اڈے سے اڑنے والے ڈرونز نے سوڈانی فضائی حدود میں معاندانہ کارروائیاں کیں، جن میں خرطوم انٹرنیشنل ایئرپورٹ سمیت فوجی اور سویلین مقامات کو نشانہ بنایا گیا۔

مزید برآں، ایتھوپیا سوڈان میں اس تباہ کن جنگ میں اپنا حصہ ڈال رہا ہے۔ پچھلے سال کے آخر سے بین الاقوامی رپورٹوں نے ایتھوپیا کی سرزمین کے اندر ریپڈ سپورٹ فورسز کے لیے ایک بڑے تربیتی کیمپ کی موجودگی کا انکشاف کیا ہے، جو

ہوائی پٹیوں اور ڈرون ہینگرز سے لیس ہے۔ سیٹلائٹ امیجری سے تائید شدہ ان رپورٹس نے درجنوں ایسی پروازوں کی بھی نشاندہی کی ہے جو ریپڈ سپورٹ فورسز کو ہتھیاروں کی ترسیل کر رہی تھیں۔

سوڈانی جنگ میں اریٹیریا کی مداخلت کے حوالے سے، 4 مئی 2023 کو 'دی انڈیپنڈنٹ' (The Independent) نے رپورٹ کیا کہ اریٹیریا کے صدر نے اعتراف کیا کہ ان کی حکومت نے سابقہ حکومت کے خاتمے کے بعد سوڈانی فوج کے سربراہ برہان کی حمایت کی، "ذاتی وجوہات کی بنا پر نہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ ملک کے بنیادی خود مختار ادارے، یعنی فوج کی نمائندگی کرتے ہیں۔" مزید یہ کہ، اریٹیریا برہان کے لیے سپلائی کا ایک نیا راستہ کھول رہا ہے۔ 'العرب' اخبار اور دیگر نے بدھ 18 جون 2025 کو رپورٹ کیا، "مستقل ایتھوپیا کی رپورٹوں نے انکشاف کیا ہے کہ سوڈانی فوج نے ہتھیاروں کی اہم ترسیل کو محفوظ بنانے کے لیے اریٹیریا کی سرزمین کا سہارا لیا، جس میں اینٹی ایئر کرافٹ سسٹم، ترکی اور ایرانی ڈرون، بیرل بم اور اسپیئر پارٹس شامل ہیں، جو 2023 سے جاری اس وحشیانہ جنگ کو مزید ہوا دے رہے ہیں۔"

اسی طرح امریکہ سائیکس-پیکو (Sykes-Picot) کی بنائی ہوئی ریاستوں کے ذریعے سوڈانی جنگ کا انتظام چلا رہا ہے۔ مزید یہ کہ مسلمان حکمرانوں کا یہی حال ہے؛ انہیں عوام یا ان کی سلامتی کی کوئی پرواہ نہیں، انہیں صرف اقتدار، تخت و تاج اور اپنے آقاؤں سے چمٹے رہنے کی فکر ہے۔

یہ واقعی افسوسناک ہے کہ ہمارا ملک استعماری طاقتوں کی کشمکش کا اکھاڑا بن چکا ہے، حالانکہ ہمارے گردونواح کے ممالک مسلمان ہیں اور ان کی اکثریت آبادی بھی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہ اس غلامی کے طوق کا نتیجہ ہے جس میں مسلمان حکمران جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ سرزمین اور اس کے رہنے والے استعمار کی زنجیروں سے تب ہی آزاد ہوں گے جب منہجِ نبوت پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے ذریعے اسلامی طرزِ زندگی کا دوبارہ آغاز ہو گا۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم سے انصاف قائم ہو گا۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ**﴾ "اور عنقریب وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا، جان لیں گے کہ وہ کس (برے) انجام کی طرف پلٹنے والے ہیں" (سورۃ الشعراء:227)۔

ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

بڑی تبدیلیوں کا دور: غلامی اور قیادت کے درمیان ایک اہم موڑ

تحریر: استاذ یاسین بن یحییٰ-(ترجمہ)

آج کی دنیا پر غالب گہری جغرافیائی سیاسی تبدیلیوں کے درمیان، جہاں قائم شدہ اصول بکھر رہے ہیں اور محض طاقت کے بل بوتے پر اتحاد تشکیل دیے جا رہے ہیں، مسلم دنیا خود کو ایک ایسے فیصلہ کن موڑ پر کھڑی پاتی ہے جہاں اسے یا تو ان تبدیلیوں کا ادراک کرتے ہوئے اپنا راستہ خود متعین کرنا ہوگا، یا پھر دوسروں کے طے کردہ معمولی کرداروں کا انتظار کرنا ہوگا۔ تیونس میں مسلسل نویں سال "افریقی شیر مشقیں" (Exercise African Lion) منعقد کرنے پر امریکہ کا اصرار، اور اپنے فوجیوں اور ساز و سامان کی تعیناتی، اب محض معمول کا فوجی تعاون نہیں رہا۔ یہ درحقیقت ملک کو افریقہ میں امریکہ کے سیکورٹی مقاصد کے جال میں پھنسانا بن چکا ہے۔ تیونس کا یہ منظر نامہ کوئی الگ تھلگ واقعہ نہیں ہے، بلکہ یہ وسیع تر عرب حقیقت کی عکاسی کرتا ہے، جہاں واشنگٹن کے ساتھ اتحاد کی بنیادیں تحفظ کی ڈھال بننے کے بجائے کمزوری کا باعث بن گئی ہیں۔ کیا مسلم دنیا کے پاس اب بھی مکمل غلامی سے بچنے کے لیے کوئی سٹریٹیجک جواب موجود ہے، یا پھر انتظار کی قیمت اتنی زیادہ ہو جائے گی کہ بعد میں کوئی بھی کردار بچانا ممکن نہ رہے گا؟

"افریقی شیر مشقیں": جب غلامی ایک سیاسی منصوبے کی شکل اختیار کرلے

تیونس میں، سالانہ بنیادوں پر "افریقی شیر" فوجی مشقوں کے ایک حصے میں شرکت ایک ایسی سیاسی روایت بن چکی ہے جو 2015 میں باجی قائد السبسی کی جانب سے تیونس کو نیٹو (NATO) کا ایک سٹریٹیجک غیر ملکی اتحادی نامزد کرنے کے

معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد سے آنے والی تمام حکومتوں میں منتقل ہوتی رہی ہے۔ تاہم، جسے ایک سٹریٹیجک شراکت داری کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، گہری نظر ڈالنے پر وہ محض ملک کو ایک ایسے امریکی منصوبے میں الجھانا ثابت ہوتا ہے جو صرف افریقہ میں اس کے اپنے مفادات کو پورا کرتا ہے۔ امریکہ کی لغت میں، "سٹریٹیجک شراکت دار" کا مطلب دوست یا برابر کا نہیں ہے، بلکہ محض ایک ایسا مہرہ ہے جو امریکی تسلط کے نظام میں ایک مخصوص کام انجام دے رہا ہو۔

خلیجی ممالک میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس وابستگی کے خطرے کی تصدیق کرتا ہے: وہاں بکھرے ہوئے امریکی فوجی اڈوں پر بار بار حملے ہوئے، اور ان ممالک کو کوئی حمایت حاصل نہ ہوئی، نہ اندرونی اور نہ ہی بیرونی۔ اس کے برعکس، عرب دنیا نے انہیں جارحیت میں شریک دشمن کے اڈے سمجھا۔ تیونس آج واشنگٹن کے لیے بحیرہ روم کے قلب میں، یورپ اور افریقہ کے درمیان ایک سٹریٹیجک محل وقوع کی حیثیت سے اہم ہے، لیکن اس کی قیمت بہت زیادہ ہو سکتی ہے۔ اسلام غیر مسلموں سے فوجی مدد طلب کرنے سے منع کرتا ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «لَا تَسْتَضِيئُوا بِنَارِ الْمُشْرِكِينَ» "مشرکین کی آگ (یعنی جنگ) سے روشنی (مدد) حاصل نہ کرو۔"

فوجی اتحاد فوجوں کو ایک مشترکہ دشمن کے خلاف مل کر لڑنے اور معلومات و فوجی ساز و سامان کے تبادلے کی اجازت دیتے ہیں۔ آج کا امریکہ، جو خود پسندی، سیاسی افراتفری، اور ڈیموکریٹس اور ریپبلکنز کے درمیان گہری اندرونی تقسیم کا شکار ہے، اب اس کے اپنے اتحادی بھی اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ یہ وہی امریکہ ہے جس نے اسلام کے خلاف اپنی اصل جنگ چھیڑ رکھی ہے، جس کا ثبوت غزہ، ایران اور لبنان کے حالات سے ملتا ہے۔

تیونس اور دھڑے بندی کا خطرہ

نیٹو (NATO) کو ہلا کر رکھ دینے والے اس طوفان کے دوران، تیونس ان بڑی تبدیلیوں میں براہِ راست ہراول دستے (فرنٹ لائن) کے طور پر سامنے آیا ہے۔ لیبیا اور ساحل کے مسائل وہ تمام معاملات ہیں جن پر امریکہ کا غلبہ ہے۔ 2024 سے 2026 کے درمیانی عرصے کے اشارے تیونسی حکام کی جانب سے ایک واضح سٹریٹیجک دوغلے پن (Strategic Duality) کو ظاہر کرتے ہیں: بظاہر، تیونس غیر ملکی اڈوں اور غیر ملکی احکامات کو مسترد کرتے ہوئے ایک آزادانہ بیانیے پر کاربند ہے اور اپنی غیر جانبداری کے عزم کا اعادہ کرتا ہے۔ تاہم، عملی طور پر یہ امریکہ کے ساتھ اپنے

دفاعی و سیکورٹی تعاون کو مزید گہرا کر رہا ہے، جس کے تحت امریکی فوجی مشیروں اور ماہرین کی بڑھتی ہوئی موجودگی کی اجازت دی جا رہی ہے، جبکہ ساتھ ہی وہ فطری طور پر یورپ کے ساتھ بھی جڑا ہوا ہے۔

یہ نازک مساوات —یعنی معیشت کے لیے یورپ، سیکورٹی کے لیے امریکہ اور توازن برقرار رکھنے کے لیے محض سیاسی بیانیہ —اس صورت میں اچانک زمین بوس ہو سکتی ہے اگر 'ٹرانس اٹلانٹک' (یورپ اور امریکہ کے درمیان) دراڑ مزید گہری ہو جائے۔ کسی کھلی جنگ یا تنازع کی صورت میں، تیونس دوہرے دباؤ کی زد میں آ سکتا ہے: ایک طرف یورپ معاشی پابندیوں یا امداد روکنے کی دھمکیاں دے گا، اور دوسری طرف امریکہ اس سے بڑے فوجی کردار کا مطالبہ کرے گا جو تیونس کو شدید علاقائی ردعمل کا شکار کر سکتا ہے، بالخصوص الجزائر کی جانب سے، جو اپنی سرحدوں کے پاس کسی بھی قسم کی امریکی موجودگی کو اپنی 'ریڈ لائن' (سرخ لکیر) قرار دیتا ہے۔ تب اہم سوال یہ پیدا ہو گا کہ کیا تیونس توازن برقرار رکھنے والے ایک کھلاڑی کے طور پر کامیاب ہو سکے گا، یا پھر اسے کسی ایک دھڑے کا ساتھ دینے پر مجبور کر دیا جائے گا؟ یقیناً، "روٹی کے لیے یورپ، ہتھیاروں کے لیے امریکہ اور ہمسائیگی کے لیے الجزائر" کی یہ مساوات اب کافی نہیں رہی۔ اگر تیونس ایک ایسے تنازع میں یرغمال بننے سے بچنا چاہتا ہے جس پر اس کا کوئی اختیار نہیں، تو اسے ایک بالکل نئی حکمت عملی کی ضرورت ہے۔

محکومی سے تمدنی قیادت تک

سب سے بڑا سوال یہی باقی ہے: ان تبدیلیوں کے درمیان امتِ مسلمہ کہاں کھڑی ہے، ہم جو قوت اور عزت کے تمام عناصر کے مالک ہیں؟ ہم اس محکومی کی حالت سے کیسے نکل سکتے ہیں اور وہ مقام کیسے حاصل کر سکتے ہیں جو رب العالمین، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمارے لیے فرض کیا ہے؟ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آج بڑی طاقتوں کے درمیان جاری کشمکش اب نظریات کا تصادم نہیں رہی، بلکہ یہ اقتدار، اثر ورسوخ اور بالادستی کی خالص جدوجہد بن چکی ہے۔ عالمی سطح پر اب اسلام کے منصوبے کے علاوہ کوئی ایسا جامع اور نظریاتی منصوبہ موجود نہیں ہے جو انسانیت کے مسائل کے حل کے لیے ایک مکمل و مربوط وژن پیش کر سکے۔

امت کے پاس آج ایک تمدنی متبادل موجود ہے جسے نافذ کرنا اس پر فرض ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ**﴾

"پس تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا (حکم) تسلیم نہ کر لیں" (سورۃ النساء: 65)۔

اس پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ اس متبادل کو تمام انسانیت تک پہنچائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ**﴾
"اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک ایسی بہترین (درمیانی) امت بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ بنو" (سورۃ البقرہ: 143)۔

یہ متبادل ایک ایسے عقیدے پر مبنی ہے جو عقلی دلیل سے ثابت ہے، جس کے ذریعے ہم دنیا کے لیے ہدایت اور رحمت کا پیغام (رسالت) لے کر اٹھتے ہیں اور پوری انسانیت پر حجت قائم کرتے ہیں۔ مزید برآں، امت کی طاقت کے ذرائع بے پناہ ہیں: دولت، وسائل، زمینیں، اہم گزرگاہیں، جغرافیائی محلِ وقوع، نوجوان نسل، اور خلافت کی تاریخ، جس نے تقریباً تیرہ صدیوں تک دنیا پر حکمرانی کی اور یورپ کو تاریک ادوار سے باہر نکالا۔ یہ تمام اثاثے اس وقت تک کاغذ پر محض الفاظ ہی رہیں گے جب تک انہیں متحد کرنے کے لیے سیاسی عزم موجود نہ ہو۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ، بین الاقوامی تبدیلیوں کی اس بے مثال تیز رفتار کے دور میں، اب مسلم دنیا کے لیے یہ بات ہرگز قابلِ قبول نہیں کہ وہ حاشیے پر کھڑی اپنی باری کا انتظار کرے۔ تیونس میں "افریقی شیر" فوجی مشقیں، امریکہ پر سیکورٹی کا انحصار، اور یورپ و امریکہ کے درمیان یہ نازک توازن، یہ سب اس بات کی پیشگی تنبیہ ہیں کہ محکومی اب صرف مہنگی ہی نہیں رہی بلکہ یہ خودمختاری اور مستقبل کے لیے مہلک بن چکی ہے۔

جنگوں نے مسلمانوں کی مزاحمتی صلاحیت کو ثابت کر دیا ہے؛ جیسا کہ ایران میں، اور اس سے پہلے عراق اور افغانستان میں دیکھا گیا۔ یہ تمام عوامل اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ تبدیلی کا وقت آچکا ہے، اور یہ تبدیلی ان جھگڑالو شراکت داروں کے درمیان توازن برقرار رکھنے کے کھیل میں ہے اور نہ ہی ندامت بھرے خطابات میں، بلکہ یہ عملی اقدامات میں پوشیدہ ہے: یعنی اپنی شناخت پر فخر کرنا، امت کی بکھری ہوئی قوتوں کو ایک وجود میں جمع کرنا، اور کسی بھی بڑی طاقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے انکار کرنا، خواہ عارضی طور پر بائیکاٹ یا تنہائی کی قیمت کچھ بھی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ جو قیادت کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا، اسے محکومی کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔

توانائی کا مستقبل اس کے ہاتھ میں ہے جس کے پاس اس کی ترسیل (ٹرانزٹ) کی چابیاں ہیں

تیل اب محض ایک تزویراتی (اسٹریٹجک) شے نہیں رہا، بلکہ یہ راستوں کا ایک پیچیدہ جال بن چکا ہے۔ جو کوئی ان راستوں کو کنٹرول کرتا ہے، وہ ایک گولی چلائے بغیر عالمی معیشت کی نئی تشکیل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگرچہ ریاستیں سپلائی کے راستوں میں تنوع لانے اور توانائی کی شریانوں کو بہتر بنانے کی کوشش کرتی ہیں، لیکن توازن اب بھی نازک ہے، جو ڈیٹرنس اور بہاؤ، اور تحفظ اور بلیک میلنگ کے درمیان ایک درست مساوات پر منحصر ہے۔ بڑی طاقتیں ایک طویل عرصے سے اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔ چین نے 'بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹو' کے ساتھ ساتھ متبادل توانائی کے حصول کی کوشش کی ہے، قطع نظر اس کے کہ اسے اس میں کامیابی ملی یا ناکامی۔ امریکہ بھی طویل عرصے سے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے کنٹرول حاصل کرنے کے لیے عسکری، معاشی اور سیاسی طور پر سرگرم ہے۔ آج ہم مشرقِ وسطیٰ اور اس کی گزرگاہوں پر اثر و رسوخ کے لیے، اور افریقہ اور اس کی دولت پر جو جنگیں دیکھ رہے ہیں، وہ دو مخالف فریقوں کے درمیان 'بغیر آگ کے جنگ' کے سوا کچھ نہیں، یہ ایک ایسا تصادم ہے جو کسی بھی تاریک لمحے میں ہمارے تصور سے کہیں بڑی جنگ کی طرف لے جا سکتا ہے۔

اس طرح، توانائی کے مستقبل کا فیصلہ صرف اس بنیاد پر نہیں ہو گا کہ تیل کا مالک کون ہے، بلکہ اس بنیاد پر ہو گا کہ اس کی ترسیل کی چابیاں کس کے پاس ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جب مفادات آپس میں ٹکراتے ہیں اور گزرگاہیں تنگ ہو جاتی ہیں، یہ تنازع ان پر کنٹرول حاصل کرنے کی جدوجہد میں بدل سکتا ہے، جو بین الاقوامی نظام میں طاقت کے اصولوں کی نئی تحریر کا باعث بنے گا۔

مسلمانوں کی زمینیں اس قابل ہونے سے دور نہیں ہیں کہ وہ حرکت میں آئیں اور ایک بڑی تبدیلی برپا کر دیں۔ ان کے پاس ایک الٰہی نظریہ، بے پناہ دولت اور اہم گزرگاہیں ہیں۔ وہ دنیا کے مرکز میں واقع ہیں، اور اگر اللہ نے چاہا تو وہ تیل کے کنوؤں سے لے کر بندرگاہوں تک کے اس بند چکر (closed loop) میں ایک پیروکار سے بدل کر ایک کنٹرولر بن جائیں گے۔ ان کے پاس ایسی طاقت ہے جو نہ صرف ذخائر کی مقدار سے بلکہ مسلسل اور مربوط کنٹرول سے آتی ہے۔ وہ پیداواری میدانوں اور ذخیرہ کرنے کی گنجائش، نقل و حمل (پائپ لائن نیٹ ورکس اور اندرونی سہولیات) اور ترسیل کو بھی کنٹرول کرتے ہیں، کیونکہ آبنائے ہرمز، باب المندب، باسفورس اور دردانیال سمیت تمام آبنائے اس ریاست کے قبضے میں ہوں گی۔ یوں قیمتوں کے تعین، فروخت، معاہدوں اور کرنسی کے تمام میکانزم مسلمانوں کے خلیفہ کے ہاتھ میں ہوں گے۔

جب بنیادی ڈھانچہ جیسے متعدد گہرے سمندر کی بندرگاہیں، اسٹریٹجک ریزرو ذخیرہ کرنے کی سہولیات، ترسیل کے مقامات کے قریب ریفائنریز وغیرہ تعمیر ہو جائیں گی، تو وہ نظریاتی ریاست، یعنی خلافت جو اللہ کے اذن سے جلد قائم ہونے والی ہے، جب توانائی کی زنجیروں اور گزرگاہوں پر اپنی گرفت مضبوط کرلے گی، تو وہ ایک عالمی ترسیلی پلیٹ فارم میں بدل جائے گی، جو توانائی کے بہاؤ کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اسے منظم کرے گی۔

اصل طاقت شریانوں کو بند کرنے میں نہیں بلکہ انہیں ایک خاص قیمت پر اور اس نظریاتی ریاست کی طے کردہ شرائط کے تحت کھلا رکھنے کی صلاحیت میں پنہاں ہے۔ منظم استحکام اثر و رسوخ کی اعلیٰ ترین شکل بن جاتا ہے۔ آج بڑی طاقتیں جس چیز پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں، وہ درحقیقت پہلے ہی خلافت کی ریاست کی ملکیت ہے۔ بیلٹ اینڈ روڈ ہماری زمینوں پر ہے، نئی شاہراہِ ریشم ہماری زمینوں پر ہے، آبنائے ہماری آبنائے ہیں، توانائی ہماری توانائی ہے، اور ہر قسم کے خام مال کی دولت ہماری ہے۔

خوش بخت ہیں وہ جو اپنی زندگی کے ضائع ہونے سے پہلے اس کی قدر کو پہچان لیں، اور اپنی زندگی کو اپنے حق میں گواہ بنائیں نہ کہ اپنے خلاف

آج اس امت کے نوجوانوں کو جس سب سے خطرناک معاملے کا سامنا ہے وہ محض فتنوں کی کثرت نہیں ہے، بلکہ بے مقصد گفتگو، لایعنی لہو و لعب اور ایسی فضولیات میں اپنی زندگیوں کو ضائع کرنا ہے جن کا کوئی فائدہ نہیں، یہاں تک کہ دن اور سال گزر جاتے ہیں اور دین یا دنیا کی زندگی میں کوئی نقش باقی نہیں رہتا۔ کتنے ہی نوجوان مرد اور خواتین اپنی توانائی اور وقت فضول مجلسوں، سوشل میڈیا اور لوگوں کی خبروں کے پیچھے برباد کر رہے ہیں، جبکہ دین کے حوالے سے ان کے فرائض دن بدن کمزور پڑتے جا رہے ہیں!

درحقیقت، نوجوان امت کی قوت اور اس کا سہارا ہیں۔ اگر وہ معمولی باتوں میں الجھ جائیں، حیلے بہانوں کے عادی ہو جائیں، اور عبادات و دعوت کے میدان میں اپنی شرعی ذمہ داریوں کو ترک کر دیں، تو اس سے پوری امت کمزور پڑ جاتی ہے۔ گزرا ہوا وقت کبھی لوٹ کر نہیں آتا، اور ایک دن ہر انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور کھڑا ہو گا، جہاں اس سے اس کی جوانی کے بارے میں سوال ہو گا کہ اس نے یہ وقت اور جوانی کہاں اور کیسے صرف کی۔

مسلم نوجوانوں کے لیے یہ ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی امت کی صورتحال کے محض تماشائی بنے رہیں، یا آرام طلبی اور ٹال مٹول کے قیدی بن کر رہ جائیں۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جوانی کو اسلام کی خدمت میں اطاعت اور عمل کا راستہ بنانا چاہیے، چاہے وہ ایک اچھی بات کہنے، حق کی حمایت کرنے، یا امت کے مسائل کا دفاع کرنے کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثاً وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ "کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے؟" (سورۃ المؤمنون:115)

پس مبارکباد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو اپنی زندگی ختم ہونے سے پہلے اس کی قدر کو پہچان لیں، اپنی زندگی کو اپنے حق میں گواہ بنائیں نہ کہ اپنے خلاف، اور اپنی جوانی کو ان کاموں کے لیے وقف کر دیں جن سے اللہ راضی ہو اور لوگوں کو نفع پہنچے، اس سے پہلے کہ وہ دن آ پہنچے جب ندامت اور پچھتاوا کسی کام نہ آئے گا۔